سلسلہ مطالعہ سیرت

سیرۃ الرسول ﷺ کی اِقتصادی اہمیّت

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری

منہاج القرآن پبلیکیشنز

سیرۃُ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی

اِقتصادی اَہمیت

تحقیق و تدوین:

ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

www.MinhajBooks.com

مِنہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365-ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 042-111-140-140

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 042-7237695

www.Minhaj.org - sales@Minhaj.org

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

www.MinhajBooks.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَولَای صَلِّ وَسَلِّم دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیبِکَ خَیرِ الخَلقِ کُلِّهِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الکَونَینِ وَالثَّقَلَینِ

وَالفَرِیقَینِ مِن عُرُبٍ وَّمِن عَجَمِ

www.MinhajBooks.com

حکومتِ پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔ا) ۴-۱-۴ / ۸۰ پی آئی وی، مؤرّخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء؛ حکومتِ بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل وایم ۴ / ۷۰-۹۷۰-۳-۷، مؤرّخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء؛ حکومتِ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی چٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این۔۱ / اے ڈی (لائبریری)، مؤرّخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء؛ اور حکومتِ آزاد ریاست جموں و کشمیر کی چٹھی نمبر س ت / اِنتظامیہ ۶۳-۸۰۶۱ / ۹۲، مؤرّخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصنیف کردہ کتب تمام سکولز اور کالجز کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

www.MinhajBooks.com

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاج القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب : سیرۃُ الرسول ﷺ کی اِقتصادی اَہمیت

تصنیف : شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

تحقیق و تدوین : ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

تخریج : محمد ضیاء الحق رازی

زیرِ اہتمام : فریدِ ملّتؒ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk

مطبع : منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور

اِشاعتِ اَوّل : ستمبر 2007ء (1,100)

اِشاعتِ دُوم : مارچ 2008ء

تعداد : 1,100

قیمت پریمئر کاغذ : -/120 روپے

✡ ۞ ✡

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور ریکارڈ شدہ خطبات و لیکچرز سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لیے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

sales@minhaj.org

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاج القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	:	سیرۃ الرسول ﷺ کی اِقتصادی اَہمیت
تصنیف	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
تحقیق و تدوین	:	ڈاکٹر طاہر حمید تنولی
تخریج	:	محمد ضیاء الحق رازی
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملّت رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاج القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اَوّل	:	ستمبر 2007ء (1,100)
اِشاعتِ دُوم	:	مارچ 2008ء
تعداد	:	1,100
قیمت اِمپورٹڈ کاغذ	:	150/- روپے

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور ریکارڈ شدہ خطبات و لیکچرز سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے تحریکِ منہاج القرآن کے لیے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاج القرآن پبلی کیشنز)

sales@minhaj.org

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

فہرس

مشتملات	صفحہ
۞ پیش لفظ	۱۱
۱۔ سیرۃُ الرسول ﷺ اور معیشت کا تصوراتی پہلو	۱۴
(۱) معاشی سرگرمیوں کی اہمیت کا ادراک	۱۵
i. تصور معاش کی ہمہ جہتی	۱۶
ii. طلب حلال ایک فرض	۱۷
iii. جائز اقتصادی سرگرمیوں اور محنت کی تعریف	۱۸
iv. زندگی کے معاشی استحکام کا تصور	۱۹
v. کسب معاش کی پابندی کا تصور	۲۲
(۲) معیشت میں فساد کے اسباب کا تدارک	۲۷
ملکیت اموال کا تصور امانت	۲۷
(۳) اِقتصاد فی المعیشت کا تصور	۳۲
صرف اور خرچ میں اقتصاد کا حکم	۳۲
(۴) معاشی ترجیحات کا منصفانہ تعین	۳۹

www.MinhajBooks.com

صفحہ	مشتملات
۳۹	i. اَفرادِ معاشرہ کی حق معاش میں برابری
۴۲	ii. تفاوت رزق اور انسانی وقار
۴۳	iii. اجتماعی مفاد کی انفرادی مفادات پر ترجیح
۴۷	iv. ارتکاز دولت کی مذمت
۴۹	۲۔ سیرۃُ الرسول ﷺ اور فلاحی معیشت کا قیام
۴۹	(۱) افرادِ معاشرہ پر وجوبِ کسبِ رزق
۵۰	(۲) ذرائع معیشت کی تلاش
۵۴	(۳) زمین اور اس کی پیداوار میں حق کی برابری
۵۶	(۴) زمین کی تحدید اور تقسیم
۵۷	(۵) اقتصادی و معاشی حقوق کا تحفظ
۶۴	(۶) ناجائز ذرائع معیشت کا احتساب
۶۵	(۷) احتکار و اکتناز کی ممانعت
۷۱	(۸) حرام ذرائع معیشت کا انسداد
۷۲	(۹) اَسراف کی ممانعت
۷۵	۳۔ سیرۃُ الرسول ﷺ اور معیشت و معاشرت کا تعلق
۷۵	(۱) معاشی تعطل ایک معاشرتی المیہ

مشتملات	صفحہ
(۲) معاشی ذمہ داریوں اور معاشرتی مرتبہ کا تعلق	۷۹
(۳) معاشرتی اصلاح میں معاشی عنصر کی اہمیت	۸۱
۴۔ سیرۃُ الرسول ﷺ اور معیشت و اخلاق کا تعلق	۸۱
(۱) معیشت اور روحِ عبادات	۸۵
(۲) دین معاشی حق کی ادائیگی کا نام ہے	۸۸
(۳) غربا کی عزتِ نفس کا احترام	۸۷
(۴) مستحقین کی توقیر و حرمت: تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں	۹۸
(۵) معاشی ذمہ داریاں اور تقاضائے ایمان	۱۰۱
۵۔ سیرۃُ الرسول ﷺ اور معیشت و ریاست کا تعلق	۱۰۲
(۱) ریاست کی ذمہ داریاں	۱۰۲
i. حقِ معاش کی فراہمی	۱۰۲
ii. سیرۃُ الرسول ﷺ اور بنیادی حقِ معاش	۱۰۵
iii. حکمران کی اہلیت: معاشی مساوات کا قیام	۱۰۶
iv. حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتصادی اصلاحات	۱۰۹
v. کفالتِ عامہ کا نظام اور ریاست کی ذمہ داری	۱۱۰
vi. زائد مال کی تقسیم اور حکومت کی ذمہ داری	۱۲۲

www.MinhajBooks.com

مشتملات	صفحہ
vii. اسلامی ریاست میں باہمی معاشی تعاون	۱۲۹
viii. اجتماعی سطح پر کفالتِ عامہ	۱۳۳
(۲) معاشی کفالت کا دائرہ کار	۱۴۹
i. حقِ خوراک کی فراہمی	۱۴۹
ii. حقِ لباس	۱۶۰
iii. حقِ رہائش	۱۶۳
iv. حقِ ذریعہ معاش اور مالی کفالت	۱۶۴
(۳) منصفانہ معیشت کے لیے لازمی اقدامات	۱۷۱
i. جملہ اَموال میں حاجت مندوں کا حق	۱۷۱
ii. ضرورت سے زائد زمین بحقِ سرکار ضبط	۱۷۳
iii. مالِ وراثت میں غرباء کا شرعی حق	۱۷۴
iv. ادائیگی زکوۃ سے حکم انفاق ساقط نہیں ہوتا	۱۷۷
(۴) ریاست کے امتناعی اقدامات	۱۸۱
i. سودی معیشت: ہمہ گیر تباہی	۱۸۳
ii. سودی معیشت: اللہ سے بغاوت	۱۸۵
iii. سود کی ہر نوع کی ممانعت	۱۸۶

مشتملات	صفحہ
iv. سیرۃُ الرسول ﷺ اور سودخوری پر وعید	۱۸۷
(۱) سودخوری باعث تباہی و بربادی	۱۸۷
(۲) سودی لین دین پر حضور نبی اکرم ﷺ کا لعنت بھیجنا	۱۸۷
(۳) سودخور کبھی جنت میں داخل نہیں ہوگا	۱۸۸
(۴) سود کا کم تر درجہ ماں کے ساتھ زنا کی مثل ہے	۱۸۸
(۵) سود کا ایک درہم (روپیہ) کھانا چھتیس دفعہ زنا سے زیادہ سخت ہے	۱۸۹
(۶) سود شرک کے برابر ہے	۱۹۰
(۷) سودخور پر عذابِ آخرت	۱۹۱
ماحصل	۱۹۱
ماَخذ و مراجع	۱۹۵

www.MinhajBooks.com

پیش لفظ

معیشت انسانی زندگی - چاہے وہ انفرادی ہو یا اجتماعی - میں مرکز و محور کی حیثیت رکھتی ہے۔ کوئی بھی ذمہ دار تہذیب، نظریہ یا نظامِ زندگی معیشت سے صرفِ نظر نہیں کرسکتا۔ اسلام آفاقی دین ہوتے ہوئے معیشت کے باب میں جامع تعلیمات کا حامل دین ہے۔ سیرۃُ الرسول ﷺ کی روشنی میں اگر اسلام کے عطا کردہ تصوراتِ معیشت کا مطالعہ کیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ سیرۃُ الرسول ﷺ میں معیشت کی نظریاتی اور عملی و اطلاقی دونوں حوالوں سے بڑی واضح اور جامع تعلیمات موجود ہیں۔

سیرۃُ الرسول ﷺ سے ہمیں معیشت کے تصوراتی و نظریاتی پہلو کے حوالے سے جامع معلومات اور رہنمائی ملتی ہے۔ جس کی روشنی میں یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ زندگی میں معاشی سرگرمیوں سے صرف نظر کر کے نہ صرف یہ کہ اللہ کے عطا کردہ احکامات کی پیروی اور حقوق العباد کی ادائیگی ممکن نہیں ہوسکتی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی بھی انتشار کا شکار ہوسکتی ہے۔ تاہم معاشی سرگرمیوں کی اہمیت پر غیر ضروری زور، جو دوسری دنیا کے نظام ہائے معیشت میں موجود ہے، کے نتیجے میں جن خرابیوں کے زندگی میں در آنے کا اندیشہ ہے اُن کا ازالہ بھی سیرۃُ الرسول ﷺ کی روشنی میں سیرت کی عطا کردہ تعلیمات سے کیا جا سکتا ہے۔ تصورِ معیشت میں مطلق ملکیت کی جگہ امانت کے تصور کو انسانیت کے لیے پہلی دفعہ متعارف کروایا گیا جس کے نتیجے میں انسان کی تمام تر سرگرمیوں کی جہت ہی کلیتاً بدل جاتی ہے۔

نظری تعلیمات کے ساتھ ساتھ معیشت کے باب میں سیرۃُ الرسول ﷺ کی عملی اور اطلاقی تعلیمات بھی پوری شرح و بسط کے ساتھ میسر آتی ہیں۔ فلاحی معیشت کا قیام، معاشرت اور معیشت و ریاست کا باہمی تعلق، وہ بنیادی میادینِ تحقیق ہیں جن میں

سیرت الرسول ﷺ سے تعلیمات اور نظائر کے ساتھ رہنمائی ملتی ہے۔ آپ ﷺ نے نہ صرف فلاحی معیشت کے قیام کے لئے واضح راہنمائی اور اصول وضوابط عطا کیے بلکہ اس حقیقت کو بھی واضح کیا کہ معاشرے کے اندر اعلیٰ اخلاقی اقدار کا قیام بھی صحت مند، منصفانہ اور عادلانہ نظامِ معیشت ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ جب بھی معاشرہ معاشی تعطل کا شکار ہو گا اُس کا لازمی نتیجہ اخلاقی اور معاشرتی اختلال کی صورت میں نکلے گا۔

ریاست کی سطح پر اس امر کا ذمہ دار ریاست کو ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ افرادِ معاشرہ کی معاشی ضرورتوں کی کفالت کے لئے اپنا بھرپور کردار ادا کرے، اس میں حائل موانعات میں سرفہرست سود ہے جو ایک عادلانہ نظامِ معیشت کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ اِن موانعات کو دور کرنے کے لئے عملی نظائر حضور نبی اکرم ﷺ کی ہجرتِ مدینہ کے بعد مواخاتِ مدینہ سے لے کے خلفاء راشدین کے زمانہ مبارک تک واضح منارہ ہائے نور کی صورت میں نظر آتے ہیں۔

شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری مدظلہ العالی کی زیرِنظر تصنیف میں اِسلام کے معاشی نظام کے نظری اور عملی تصورات کو سیرۃُ الرسول ﷺ کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔ یہ تصنیف نہ صرف اسلام کی تعلیمات کو سمجھنے کے لئے مدو معاون ہو گی بلکہ دورِ جدید کے معاشی علوم کی ترقی کے تناظر میں اسلام کی معاشی تعلیمات کی توضیح وتشریح میں بھی مد ثابت ہو گی۔

ڈاکٹر طاہر حمید تنولی
ناظم تحقیق
تحریکِ منہاج القرآن

www.MinhajBooks.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قومی زندگی کی تین بنیادی جہتوں: معاشرت، معیشت اور سیاست میں سے معیشت ایک بنیادی مرکزی اور محوری اہمیت کی حامل جہت ہے۔ جس کی اصلاح نہ صرف معیشت اور معاشرت کو بلکہ سیاست کو اور من حیث المجموع پوری زندگی کو متاثر کرتی ہے۔ سیرت الرسول ﷺ کا اس جہت سے مطالعہ ایسے واضح اُصول فراہم کرتا ہے جو زندگی کے معاشی پہلو میں آنے والی خرابیوں کی اصلاح اور اس پہلو کے ارتقاء کے حوالے سے جملہ تقاضوں کا احاطہ کرتا ہے۔ قومی سطح پر معاشی زندگی میں استحصالی، خودغرضانہ اور مفاد پرستانہ طرزِ عمل وہ بنیادی انحراف ہے جو اعلیٰ اقدار کی تخلیق، ارتقاء اور استحکام میں سدِ راہ کے طور پر حائل رہتا ہے۔ کیونکہ جب انسانی طرزِ عمل پر حرص، لالچ، بخل وکینہ، خودغرضی اور مفاد پرستی غالب ہو جائے تو اجتماعی مفاد کی خاطر معاشرے سے انفاق، نفع بخشی اور فیض رسانی کا عنصر غائب ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں جہاں ارتکاز کا رجحان پیدا ہوتا ہے وہاں معاشرے کے عام افراد معاشی تعطل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ معاشرتی زندگی میں تفاوت، ہر سطح پر مفاد پرستانہ طرزِ عمل کو جنم دیتی ہے۔ خودغرضی اور مفاد پرستی کی بنیادوں سے اٹھنے والی معیشت معاشرے کی سیاسی اور اجتماعی اقدار کو بھی پامال کرتی ہے، اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آتا ہے جسے اپنے اخلاقِ رذیلہ اور اجتماعی بقاء کے تصور سے انحراف کے باعث بالآخر محکومی اور غلامی جیسی صورت حال کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ اندریں حالات اس امر کی ضرورت ہوتی ہے کہ افرادِ معاشرہ کے دل سے افلاس کا خوف رفع کیا جائے۔ معاشی تعطل اور غیر فطری تفاوت کو ختم کرنے کے لیے ایسا مؤثر اقتصادی نظام وضع کیا جائے جہاں ہر شخص کی تخلیقی جدوجہد بحال ہو اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک معاشرے میں رائج معاشی نظام کے بنیادی تصورات، اَقدار اور عملی اقدامات میں ایسی بنیادی تبدیلیاں نہ

لائی جائیں جو ان اہداف کے حصول کو یقینی بناتی ہوں۔ سیرت الرسول ﷺ کا اس حوالے سے مطالعہ ان جملہ پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہوئے ہمیں ایک ایسا لائحہ عمل عطا کرتا ہے جس سے نہ صرف معاشرے میں آنے والی ان معاشی خرابیوں کو، جو بیک وقت معاشرتی اور سیاسی اقدار کو مفلوج کر سکتی ہیں، کا ازالہ کرتا ہے بلکہ افرادِ معاشرہ کو مثبت معاشی طرزِ عمل پر گامزن کرنے کا داعیہ بھی پیدا کرتا ہے۔ اس باب میں ہم سیرت الرسول ﷺ کے معاشی پہلو کے حوالے سے درج ذیل جہات کا جائزہ لے رہے ہیں:

۱۔ سیرۃُ الرسول ﷺ اور معیشت کا تصوراتی پہلو

۲۔ سیرۃُ الرسول ﷺ اور فلاحی معیشت کا قیام

۳۔ سیرۃُ الرسول ﷺ اور معیشت و معاشرت کا تعلق

۴۔ سیرۃُ الرسول ﷺ اور معیشت و اخلاق کا تعلق

۵۔ سیرۃُ الرسول ﷺ اور معیشت و ریاست کا تعلق

اب ان پہلوؤں کی تفصیل بیان کی جاتی ہے:

۱۔ سیرۃُ الرسول ﷺ اور معیشت کا تصوراتی پہلو

کوئی بھی نظام زندگی اس وقت تک وجود میں نہیں آ سکتا جب تک اس کے پس منظر میں کوئی واضح تصور، اُصول اور ضابطہ موجود نہ ہو۔ اسلام کا معاشی نظام بھی ان بنیادی تصورات اور تعلیمات پر مبنی ہے جو قرآن وسنت سے میسر آتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے قول وعمل سے اسلام کے معاشی نظام کے خدو خال اور ان کے بنیادی تصورات نہ صرف واضح فرمائے بلکہ ایسی تعلیمات عطا فرمائیں جو معاشی رویوں اور رجحانات سے نہ صرف مختلف تھیں بلکہ آنے والے زمانوں کے لئے ایک رہنما اُصول قرار پائیں۔ آپ ﷺ نے مذہب کے روایتی تصور کے بالکل برعکس جہاں دنیا کی سرگرمیوں کو قربِ خداوندی کے حصول میں سدِّ راہ اور رکاوٹ سمجھا جاتا تھا، جائز اور درست معاشی سرگرمیوں

کی اہمیت کو بیان فرمایا اور انسان کی طبیعت میں موجود معاشی میلانات کی اصلاح کے لئے بنیادی تصورات مثلاً تصورِ ملکیت وغیرہ کو بدلتے ہوئے ایسی تعلیمات عطا فرمائیں کہ جن کے اوپر عمل پیرا ہوتے ہوئے معاشی زندگی ایک ایسے حسین اعتدال سے بہرہ ور ہوسکے جہاں ایک طرف تخلیقی معاشی سرگرمیاں فروغ پذیر رہیں تو دوسری طرف افرادِ معاشرہ کے لیے ان تخلیقی اور معاشی سرگرمیوں سے مستفید ہونے اور ان سے نفع بخشی تک کے امکانات پانے کے تمام راستے بھی کھلے رہیں۔

(۱) معاشی سرگرمیوں کی اَہمیت کا اِدراک

سیرت الرسول ﷺ میں زندگی کے معاشی پہلو کی اہمیت واضح نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ نے نفع مند مال کی تعریف کی ہے اور اس مال کے کمانے کی خواہش اور اسے احسن طریقے سے خرچ کرنے اور اس مال کو مزید ثمر آور بنانے کو ضروری قرار دیا ہے اور ایسے صاحب حیثیت شخص کو سراہا ہے جو مال ملنے پر شاکر ہو اور اس مال کو لوگوں کی منفعت اور خیر خواہی کیلئے خرچ کرے۔ جبکہ اس ضمن میں سوائے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے اور کوئی چیز اس کے پیش نظر نہ ہو۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

نعم المال الصالح للمرء الصالح.[(۱)]

''وہ کتنا ہی اچھا مال ہے جو کسی نیک انسان کے پاس ہو۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیَاماً۔[(۲)]

''اور تم بے سمجھوں کو اپنے (یا ان کے) مال سپرد نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہاری

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۹۷، رقم: ۱۷۷۹۸

۲۔ بخاری، الأدب المفرد: ۱۱۲، رقم: ۲۹۹

(۲) النساء، ۴: ۵

معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔‘‘

اس سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ مال و دولت زندگی کی استواری میں معاون و مددگار ہوتے ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا:

إنّ اللہ کرہ لکم ثلاثا: قیل وقال، وإضاعۃ المال، وکثرۃ السّؤال۔[1]

’’اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین چیزیں ناپسند فرمائیں ہیں: قیل و قال، مال کے ضیاع اور کثرتِ سوال۔‘‘

i. تصورِ معاش کی ہمہ جہتی

حضور نبی اکرم ﷺ کی عطا کردہ تعلیمات میں مسئلہ معاش کو براہ راست انسانی زندگی میں نیکی اور بدی کے امتیاز میں ایک مؤثر بلکہ فیصلہ کن عامل قرار دیا ہے۔ حدیث نبوی ﷺ کی روشنی میں اس کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۱۔ کاد الفقر أن یکون کفراً۔[2]

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب قول اللہ تعالی: لا یسألون النّاس إلحافا، ۲: ۵۳۷، رقم: ۱۴۰۷

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الأقضیۃ، باب نھی عن کثرۃ السوال، ۳: ۱۳۴۰، رقم: ۱۷۱۵

۳۔ قضاعی، مسند الشھاب، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۰۸۸

(۲) ۱۔ قضاعي، مسند الشھاب، ۱: ۳۴۲، رقم: ۵۸۶

۲۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۵: ۲۶۷، رقم: ۶۶۱۲

۳۔ أبو نعیم، حلیۃ الأولیاء، ۳: ۵۳

’’ممکن ہے غربت و افلاس (کا ردِعمل) کفر کی حد تک پہنچ جائے۔‘‘

اسی طرح آپ ﷺ نے زندگی کے اعتدال کو بھی معتدل معاشی سرگرمیوں سے مشروط قرار دیا:

۲۔ **الإقتصاد في النفقة نصف المعيشة۔**(۱)

’’خرچ میں اعتدال آدھی معیشت ہے۔‘‘

۳۔ **ما عال من اقتصد۔**(۲)

’’جس نے میانہ روی اختیار کی وہ محتاج نہیں ہوگا۔‘‘

ii. طلبِ حلال ایک فرض

حضور نبی اکرم ﷺ نے رزق حلال کے حصول کو فرض قرار دیا ہے۔

۱۔ **طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة۔**(۳)

’’رزق حلال کی تلاش فرض عبادت کے بعد (سب سے بڑا) فریضہ ہے۔‘‘

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۷: ۲۵، رقم: ۶۷۴۴
۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۵: ۲۵۴، رقم: ۶۵۶۷

(۲) ۱۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۰: ۱۰۸، رقم: ۱۰۱۱۸
۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۱۰: ۲۵۲

(۳) ۱۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۲۸، رقم: ۱۱۶۹۵
۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۶: ۴۲۰، رقم: ۸۷۴۱
۳۔ قضاعي، مسند الشهاب، ۱: ۱۰۴، رقم: ۱۲۱
۴۔ ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۴۴۱، رقم: ۳۹۱۸
۵۔ أبو نعيم، حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، ۷: ۱۲۶

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک مقام پر یوں ارشاد فرمایا:

إذا صليتم الصبح فلا تناموا عن طلب أرزاقكم، فإنّ نومة الصبحة يمنع الرّزق۔(۱)

''جب صبح کی نماز ادا کر لو تو اپنے رزق کی طلب سے غافل ہو کر سو نہ جاؤ، کیونکہ صبح کی نیند رزق کو روکتی ہے۔''

iii. جائز اِقتصادی سرگرمیوں اور محنت کی تعریف

حضور نبی اکرم ﷺ نے محنت مزدوری اور اپنی معیشت کو سنوارنے کے لئے جدو جہد کرنے والے کی تعریف کی اور مزدور کو اللہ تعالیٰ کا دوست قرار دیا ہے۔

۱۔ **عن رافع بن خديج، قال: قيل: يا رسول الله، أيّ الكسب أطيب؟ قال: عمل الرّجل بيده و كلّ بيع مبرور۔**(۲)

''حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! کون سی کمائی سب سے پاکیزہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: آدمی کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور ہر جائز تجارت۔''

۲۔ **عن جابر بن عبد الله قال: قال رسول الله ﷺ: رحم الله عبدًا سمحًا إذا باع. سمحا إذا اشترى. سمحا إذا اقتضٰى۔**(۳)

(۱) ۱۔ ہندی، کنز العمال، ۴: ۲۱، رقم: ۹۲۹۹
۲۔ شعرانی، کشف الغمة عن جميع الأمة، ۲: ۳

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۴۱، رقم: ۱۷۲۶۵
۲۔ ھندی، کنز العمال، ۴: ۱۲۴، رقم: ۹۸۶۱
۳۔ خطیب تبریزی، مشکوة المصابیح، ۲: ۱۳۳، رقم: ۲۷۸۳

(۳) ابن ماجه، السنن، کتاب التجارات، باب السماحة فی البیع، ۲: ۷۴۲، رقم: ۲۲۰۳

’’حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر رحم کرتا ہے جو خرید و فروخت یا قرض کی واپسی پر دوسروں پر شائستہ ہیں اور ان کا خیال رکھتے ہیں۔‘‘

۳۔ عن صخر الغامدی قال: قال رسول اللہ ﷺ: اللّٰھم بارک لأمّتي في بکورھا. قال: وکان إذا بعث سریة أو جیشًا بعثھم في أوّل النّھار. قال: وکان صخر رجلا تاجرًا فکان یبعث تجارته في أوّل النّھار فأثری وکثر ماله۔(۱)

’’حضرت صخر غامدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! میری اُمت کو اس کی صبح میں برکت دے۔

’’راوی بیان کرتے ہیں کہ جب آپ ﷺ نے کوئی چھوٹا یا بڑا لشکر روانہ فرمانا ہوتا تو شروع دن میں روانہ فرماتے۔

’’راوی کہتے ہیں کہ حضرت صخر رضی اللہ عنہ تاجر آدمی تھے۔ وہ اپنے تجارتی قافلے شروع دن میں روانہ کرتے تو وہ بہت مال دار ہوگئے اور ان کا مال بہت بڑھ گیا۔‘‘

گویا آپ نے ان اوقات کی بھی تعریف اور نشان دہی فرمائی جو معاشی سرگرمیوں میں برکت کا ذریعہ ہیں۔

iv. زندگی کے معاشی اِستحکام کا تصور

ارشادِ ربانی ہے:

---

(۱) ابن ماجه، السنن، کتاب التجارات، باب ما یرجی من البرکة فی البکور، ۲: ۷۵۲، رقم: ۲۲۳۶

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ (۱)

’’وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔‘‘

ایک اور مقام پر ارشاد ہے

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ○ (۲)

’’اور بیشک ہم نے تم کو زمین میں تمکّن و تصرّف عطا کیا اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسبابِ معیشت پیدا کیے، تم بہت ہی کم شکر بجا لاتے ہو ○‘‘

اسی طرح ارشاد فرمایا:

وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰماً۔ (۳)

’’اور تم بے سمجھوں کو اپنے (یا ان کے) مال سپرد نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہاری معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔‘‘

اس آیہ کریمہ میں زندگی کی بقاء اور استحکام کے پہلو کو بیان کیا گیا ہے۔ فی الحقیقت مال وہی ہے جس کے اندر طبعًا انسانوں کے لئے نفع کا سامان موجود ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف اشیاء و اموال پر ملکیت (یعنی قبضہ و تصرف) کا حق اس لئے عطا فرمایا ہے کہ اسے بروئے کار لا کر وہ ان اموال پر محنت صرف کریں اور ان کے اندر تخلیق کی گئی خوابیدہ منفعتوں اور افادیتوں کو بروئے کار لا سکیں۔ کیونکہ مال کو جب تک کسی کے قبضہ و تصرف میں نہ دیا جائے اس کی بالقوہ افادیت (potential utility) کو بالفعل افادیت (actual utility) میں نہیں بدلا جا سکتا۔ اگر اس مال کے خلقی اور طبعی فوائد و

(۱) البقرہ، ۲: ۲۹

(۲) الأعراف، ۷: ۱۰

(۳) النساء، ۴: ۵

ثمرات یونہی بے جان دور از کار اور عملاً غیر سود مند ہوکر پڑے رہیں اور خلق خدا ان سے صحیح فائدہ نہ اٹھا سکے تو اس مملوکہ شے یا مال کی تخلیق کا مقصد گویا پورا ہی نہ ہو پایا جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کا مقصدِ تخلیق ہی خلقِ خدا کو فائدہ پہنچانا قرار دیا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی اپنی تعلیمات سے معاشرے میں معاشی استحکام پیدا فرمایا۔ جب سوسائٹی کے معاشی حالات اجتماعی طور پر اچھے نہ تھے تو آپ نے ان لوگوں کو جن کے پاس مال و اسباب تھا اس میں دوسروں کو شریک کرنے کی ترغیب اور حکم ارشاد فرمایا تاکہ معاشرے میں معاشی تفاوت پروان نہ چڑھ سکے۔

۱۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

طعام الواحد يكفي الإثنين وطعام الإثنين يكفي الأربعة وطعام الأربعة يكفي الثمانية۔ (۱)

’’ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے، دو آدمیوں کا کھانا چار کے لئے اور چار آدمیوں کا کھانا آٹھ آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے۔‘‘

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له، ومن كان له فضل من زاد فليعد به على من لا زاد له، قال: فذكر من أصناف المال ما ذكر حتّى رأينا أنّه لا حق لأحد منّا في فضل۔ (۲)

---

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب الأشربة، باب فضيلة المواساة في الطعام القليل، ۳: ۱۶۳۰، رقم: ۲۰۵۹

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة بفضول المال، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۱۷۲۸

۲۔ أبوداود، السنن، كتاب الزكاة، باب في حقوق المال، ۲: ۱۲۵، رقم: ۱۶۶۳

”تم میں سے جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہے وہ اس کو لوٹا دے جس کے پاس نہیں ہے۔ جس کے پاس ضرورت سے زائد سامان خورد و نوش ہے وہ اسے لوٹا دے جس کے پاس نہیں ہے۔ اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ مختلف اصنافِ مال کا ذکر فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ ضرورت سے زائد کسی بھی شے میں ہمارا حق نہیں رہا۔“

v. کسبِ معاش کی پابندی کا تصور

اسلام کے دیئے ہوئے تصورِ معیشت کے تحت ہر شخص حتی القدور کسب معاش کا پابند ہے۔ بلا عذر شرعی تساہل، غفلت اور کاہلی کی زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ قرآن حکیم نے جا بجا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی اہمیت کو بیان کیا ہے اور اس امر کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال میں سے اس کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ انفاق فی سبیل اللہ کی یہ فضیلت اور مقام تب ہی میسر آئے گا جب افراد معاشرہ حتی المقدور اپنی تمام تر توانائیوں کو حصول رزق حلال کے لئے بروئے کار لائیں گے۔ کیونکہ ایک ایسا معاشرہ جہاں افراد، معاشرہ کی تخلیقی سرگرمیوں کے بجائے عضو معطل بن جائیں کسی طور ایک فلاحی اور اہلِ انفاق کا معاشرہ نہیں بن سکتا۔ سو ایسے افراد کو اسلامی معاشرہ قطعاً گوارا نہیں کرتا۔ ”کسب معیشت“ اور ”ابتغاء رزق“ کی اہمیت کو قرآن حکیم نے جا بجا بیان کیا ہے:

۱۔ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔(۱)

”پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرنے لگو۔“

۲۔ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى○(۲)

(۱) الجمعۃ، ۶۲: ۱۰

(۲) النجم، ۵۳: ۳۹

’’اور یہ کہ انسان کو (عدل میں) وہی کچھ ملے گا جس کی اُس نے کوشش کی ہوگی۔‘‘

۳۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ۔ (۱)

’’بیشک تم اللہ کے سوا جن کی پوجا کرتے ہو وہ تمہارے لئے رزق کے مالک نہیں ہیں پس تم اللہ کی بارگاہ سے رزق طلب کیا کرو۔‘‘

۴۔ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔ (۲)

’’اور (بعض) دوسرے لوگ زمین میں سفر کریں گے تاکہ اللہ کا فضل تلاش کریں۔‘‘

۵۔ يٰاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۡ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ (۳)

’’اے لوگو! زمین کی چیزوں میں سے جو حلال اور پاکیزہ ہے کھاؤ، اور شیطان کے راستوں پر نہ چلو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔‘‘

۶۔ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ۔ (۴)

’’مردوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا، اور عورتوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا۔‘‘

احادیثِ مبارکہ میں بھی کسبِ معاش کی اہمیت بیان کی گئی ہے:

---

(۱) العنکبوت، ۲۹: ۱۷

(۲) المزمل، ۷۳: ۲۰

(۳) البقرہ، ۲: ۱۶۸

(۴) النساء، ۴: ۳۲

۱۔ قال رسول الله ﷺ: طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة۔(۱)

''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حلال معیشت کا طلب کرنا اللہ تعالیٰ کے فریضہ عبادت کے بعد (سب سے بڑا) فریضہ ہے۔''

۲۔ إنّ أطيب ما أكلتم من كسبكم۔(۲)

''بے شک سب سے پاکیزہ (رزق) جو تم کھاتے ہو وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے۔''

۳۔ لا تناموا عن طلب أرزاقكم فيما بين صلاة الفجر إلى طلوع الشمس۔(۳)

''فجر کی نماز سے لے کر طلوعِ شمس تک رزق کی جدوجہد کیے بغیر نیند نہ کرو۔''

۴۔ إنّ من الذّنوب ذنوبًا لا يكفرها الصلاة و لا الصيام ولا الحج ولا العمرة قالوا: فما يكفرها يا رسول الله؟ قال: الهموم في طلب

---

(۱) ۱۔ بیہقی، السنن الکبری، ۶: ۱۲۸، رقم: ۱۱۶۹۵
۲۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۶: ۴۲۰، رقم: ۸۷۴۱
۳۔ قضاعی، مسند الشہاب، ۱: ۱۰۴، رقم: ۱۲۱
۴۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۴۴۱، رقم: ۳۹۱۸

(۲) ۱۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب التجارات، باب ما للرجل من مال، ۲: ۷۶۸، رقم: ۲۲۹۰
۲۔ ابن أبی شیبہ، المصنف، ۷: ۲۹۴، رقم: ۳۶۲۱۳
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۷۹، رقم: ۶۶۷۸
۴۔ أحمدبن حنبل، المسند، ۶: ۱۶۲، رقم: ۲۵۳۳۵

(۳) ۱۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۵: ۳۵، رقم: ۷۳۸۰
۲۔ عجلونی، کشف الخفاء، ۲: ۲۶، رقم: ۱۵۸۸

المعيشة.[۱]

’’گناہوں میں سے کچھ گناہ ایسے ہیں جن کا کفارہ نہ نماز ہے، نہ روزہ ، نہ حج اور نہ ہی عمرہ۔ صحابہ کرام ﷺ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! پھر ان کا کفارہ کیا ہے؟ فرمایا: طلب معیشت کی فکر اور جدوجہد۔‘‘

۵۔ اطلبو الرّزق في خبايا الأرض۔[۲]

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی روزی کو زمین کے پوشیدہ خزانوں میں تلاش کرو۔‘‘

۶۔ قال رسول الله ﷺ: التاجر الصدوق الأمين مع النبيين والصديقين والشهداء۔[۳]

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سچے اور امانت دار تاجر کا حشر نبیوں،

---

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۱: ۳۸، رقم: ۱۰۲
۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۴
۳۔ أبو نعيم، حلية الأولياء، ۶: ۳۳۵

(۲) ۱۔ أبو يعلى، المسند، ۷: ۳۴۷، رقم: ۴۳۸۴
۲۔ أحمد بن حنبل، فضائل الصحابه، ۱: ۳۱۳، رقم: ۴۳۱
۳۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۱: ۲۷۴، رقم: ۸۹۵
۴۔ قضاعي، مسند الشهاب، ۱: ۴۰۴، رقم: ۶۹۴
۵۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۲: ۸۷، رقم: ۱۲۳۴

(۳) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب البيوع، باب ما جاء فی التجار، ۳: ۵۱۵، رقم: ۱۲۰۹
۲۔ عبد بن حميد، المسند، ۱: ۲۹۹، رقم: ۹۶۶
۳۔ منذری، الترغيب والترهيب، ۲: ۳۶۵، رقم: ۲۷۴۵
۴۔ ابن کثير، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۵۲۴
۵۔ حکيم ترمذی، نوادر الأصول، ۲: ۸۵

صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔‘‘

۷۔ قال: إنّ التّجار یبعثون یوم القیامۃ فجارا إلّا من اتقی اللہ وبرّ وصدق۔(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن تاجر فاسق و فاجر اٹھیں گے مگر یہ کہ جنہوں نے پرہیزگاری‘ بھلائی اور سچائی سے کاروبار کیا ہو (تو وہ اس حالت میں نہیں اٹھیں گے)۔‘‘

۸۔ خیر الکسب کسب العامل إذا نصح۔(۲)

’’بہترین کمائی مزدوری کی ہے بشرطیکہ وہ خیر خواہی اور بھلائی کے ساتھ کام والے کا کام انجام دے۔‘‘

۹۔ إعط الأجیر أجرہ قبل أن یجف عرقہ۔(۳)

’’مزدور کی مزدوری اس کے پسینے کے خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔‘‘

---

(۱) ا۔ ترمذي، السنن، کتاب البیوع عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء في التجار، ۳: ۵۱۵، رقم: ۱۲۱۰

۲۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب التجارات، باب التوقي في التجارۃ، ۲: ۷۲۶، رقم: ۲۱۴۶

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۱: ۲۷۷، رقم: ۴۹۱۰

(۲) ا۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۱۸۰، رقم: ۲۹۱۰

۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۶۱، ۹۸

۳۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۱: ۳۱۵، رقم: ۱۱۶۱

(۳) ا۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۶: ۱۲۱، رقم: ۱۱۴۳۹

۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۹۷

۳۔ طبرانی، المعجم الصغیر، ۱: ۴۳، رقم: ۳۴

(۲) معیشت میں فساد کے اَسباب کا تدارک

ملکیتِ اَموال کا تصورِ امانت

معاشی زندگی میں فساد اور خرابیوں کی ایک بڑی وجہ روایتی تصور ملکیت ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ملکیتِ اموال کے باب میں یہ بنیادی اُصول عطا فرمایا کہ اس سے مراد ملکیت نہیں محض امانت و نیابت ہے۔ یہاں ''مالک'' کا لفظ حقیقی معنی میں نہیں فقط امین اور نائب کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ اسلامی نظام معیشت میں ''ملکیت'' کا یہ اضافی مفہوم سب سے زیادہ بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ اس تصور کی وضاحت کے بغیر بقیہ اُصول و ضوابط پر گفتگو لا حاصل اور خلط مبحث کے سوا کچھ نہ ہو گی۔ اس لئے سب سے پہلے نظم معیشت میں ''ملکیت'' کے معنی و مفہوم کو متعین کرنے کے لئے اس کی توضیح کی جاتی ہے۔

قرآن حکیم کا ملکیتِ اموال میں امانت و نیابت کا اُصول محض ایک تصور نہیں کیونکہ کسی حکم کو محض ایک اخلاقی تصور سمجھ لینے اور قانونی و شرعی حق تسلیم کرنے میں بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ اگر امانت و نیابت کو محض ایک اخلاقی تصور سمجھ لیا جائے تو اس پر نظام معیشت قائم نہیں ہو سکتا کیونکہ محض اخلاقی تصورات اس قابل نہیں ہوتے کہ ان کی بنیاد پر کوئی نظام قائم کیا جا سکے، جب تک ان تصورات کو قانونی وجوب کا درجہ حاصل نہ ہو جائے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ۔(۱)

''اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ اور اس (مال و دولت) میں سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں اپنا نائب (و امین) بنایا ہے۔''

---

(۱) الحدید، ۵۷: ۷

یہاں واضح طور پر ملکیت کو ’’اِستخلاف فی المال‘‘ قرار دے دیا گیا ہے۔ جس طرح ارشادِ خداوندی ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ (۱)

’’اللہ نے ایسے لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے (جس کا ایفاء اور تعمیل اُمت پر لازم ہے) جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ ضرور انہی کو زمین میں خلافت (یعنی امانتِ اقتدار کا حق) عطا فرمائے گا جیسا کہ اس نے ان لوگوں کو (حقِ) حکومت بخشا تھا جو ان سے پہلے تھے۔‘‘

اس آیۂ کریمہ میں یہ نکتہ کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ اسلامی نظامِ سیاست میں حکومت اور اقتدار میں ’’اِستخلاف فی الارض‘‘ کا اُصول کارفرما ہے۔ اسی طرح نظامِ معیشت میں ملکیتِ اموال کو اِستخلاف فی المال کا درجہ دیا گیا ہے۔

اس سے مستنبط ہوا کہ نہ تو اسلامی نظامِ سیاست میں کوئی حکمران روئے زمین پر اپنے آپ کو حاکمِ مطلق کہلا سکتا ہے اور نہ ہی اسلامی نظامِ معیشت میں کوئی شخص مطلقاً ملکیت کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ بلکہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر محض امین اور نائب ہیں لہٰذا دونوں مالکِ حقیقی کے حکم کے پابند ہیں اور کسی کو من مانی کرنے کا اختیار حاصل نہیں۔

قرآن مجید نے اسی بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (۲)

(۱) النور، ۲۴: ۵۵

(۲) الحدید، ۵۷: ۱۰

’’اور تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ساری ملکیت اللہ ہی کی ہے (تم تو فقط اس مالک کے نائب ہو)۔‘‘

اسلام کے تصورِ نیابت و امانت پر استوار ہونے والا معاشی ڈھانچہ کلیتاً اشتراکی اور سرمایہ دارانہ، دونوں نظاموں کے پیش کردہ تصورات سے یکسر جدا ہے اور اس میں افراط وتفریط سے پاک ایک متوازن عادلانہ نظامِ معیشت کی ضمانت دی گئی ہے۔ اسی اُصول کو ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰكُمْ۔ (۱)

’’اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں نائب بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجات میں بلند کیا تاکہ وہ ان (چیزوں) میں تمہیں آزمائے جو اس نے تمہیں (امانتاً) عطا کر رکھی ہیں۔‘‘

یہاں بھی انسان کی حیثیت، اموالِ دنیا کی بابت خلافت و نیابت ہی کی بیان کی گئی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ سب کچھ آزمائش کے لئے ہے۔ یعنی ان اموال کے ساتھ کچھ شرائط و ضوابط اور مصالح وابستہ ہیں اور تمہیں نائب و امین بنایا ہی اس لئے گیا ہے کہ تمہیں پرکھا اور آزمایا جائے کہ آیا تم اس امانت کے جملہ حقوق اور مصالح کی رعایت کرتے ہو یا نہیں۔ اس لئے معلوم ہوا کہ اسلامی نظامِ معیشت میں ’’ملکیت علی الاطلاق‘‘ کا تصور سرے سے موجود ہی نہیں۔ چنانچہ اس نظام کے احکام و قوانین اپنی ماہیت اور مزاج کے اعتبار سے مطلقاً دوسرے نظاموں سے مختلف ہیں۔

ایک اور مقام پر یہی تصور ان الفاظ میں واضح کیا گیا ہے کہ مال تو فی الحقیقت

(۱) الأنعام، ۶:۱۶۵

اللہ کا ہے اور وہ تمہیں فقط برتنے کے لئے دیا گیا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ تم اس پر اس طرح قابض ہو رہے ہو کہ دوسروں کو ان کا حق بھی نہیں دینا چاہتے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ○ (۱)

”ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں ان (طالبانِ دنیا) کی بھی اور ان (طالبانِ آخرت) کی بھی (اے حبیبِ مکرّم! یہ سب کچھ) آپ کے رب کی عطا سے ہے اور آپ کے رب کی عطا (کسی کے لیے) ممنوع اور بند نہیں ہے ○“

یہاں بھی واضح طور پر اموال و اسباب کو فقط عطاء الٰہی قرار دیا گیا ہے۔ پھر انسان اس کا مالک مطلق کیسے بن سکتا ہے؟ واضح رہے کہ اس کی حیثیت فقط محافظ اور امین ہی کی ہو گی اور اس میں ہر فرد کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے مقبوضہ اور زیر تصرف مال سے جس طرح خود فائدہ اٹھا رہا ہے، دوسروں کو بھی اٹھانے دے۔ تب ہی وہ امانت میں سچا ہے ورنہ خائن اور غاصب ٹھہرے گا۔ کیونکہ آیتِ کریمہ نے دونوں صورتوں میں یہ شرط عائد کر دی ہے:

۱۔ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ

۲۔ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا

پہلی شق کا مفہوم یہ ہے کہ اموال و اسباب دنیا پر قابض و متصرف لوگوں کو یہ جان لینا چاہئے کہ جس طرح ہم نے ان اموال کے ذریعے ان کی مدد کی ہے اسی طرح ہم دوسروں کی بھی مدد کرتے ہیں۔ یعنی بلا امتیاز دوسروں کی مدد کرنا بھی ہم نے اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ پس کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اوروں تک اس مدد و نصرت الٰہی کے پہنچنے میں رکاوٹ بنے، بلکہ اسے تو محض واسطہ بنایا گیا ہے۔ پس اسے اپنا فریضہ ادا کرتے رہنا

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۰

چاہیئے تاکہ ہر ایک پر یہ نعمت جاری رہے۔

دوسری شق کا مفہوم انسانوں کو یہ بتلا رہا ہے کہ تمہارے رب کی عطاء و بخشش کسی کے لئے بھی بند نہیں ہے۔ یہ طبقاتی تقسیم جو تم نے قائم رکھی ہے جس کا تم برملا اظہار کرتے ہو کہ ''اللہ نے ہمیں دیا ہے، دوسروں کو محروم رکھا ہے سو ہم انہیں کیوں دیں؟'' اس کا کوئی جواز نہیں اس ناروا طبقاتی تقسیم کا خاتمہ ہونا چاہیے اور اللہ کی عطا کردہ تقسیم ہی فطری تقسیم ہے جو قائم رہنی چاہیے۔ معاشرے میں عدل وانصاف کا دور دورہ ہو۔

ارشادِ ربانی کہ۔ ''تمہارے رب کی عطا و بخشش ہر ایک کے لئے ہے اور وہ کسی پر بھی بند نہیں'' - ایک عادلانہ معاشرے کے قیام کا ضامن ہے۔ مگر اس کا نظام یہ ہے کہ بعضوں کو آزمانے کے لئے بعضوں کا واسطہ معاش اور وسیلہ امداد بنا دیتا ہے۔ اب اگر کچھ لوگ معاشرے میں محروم اور معاشی تعطل کا شکار نظر آ رہے ہیں تو وہ مشیت الٰہی سے نہیں بلکہ اربابِ اقتدار و اختیار کے ظلم و استحصال کے سبب سے ہیں۔ جو ان کے راستے میں رکاوٹ بن گئے ہیں۔ پس استحصالی نظامِ معیشت کی اس رکاوٹ کو راستے سے دور کرنا ہی حقیقت میں مشیت الٰہی ہے۔ قرآنی احکامِ انفاق اسی مقصد کو پورا کرنے کے لئے اُتارے گئے ہیں۔ اسی اُصول کے پیشِ نظر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

طعام الواحد يكفي الإثنين وطعام الإثنين يكفي الأربعة وطعام الأربعة يكفي الثمانية۔ (۱)

''ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے، دو آدمیوں کا کھانا چار کے لئے اور چار آدمیوں کا کھانا آٹھ آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے۔''

(۱) مسلم، الصحيح، کتاب الأشربة، باب فضيلة المواساة فی الطعام القليل، ۳: ۱۶۳۰، رقم: ۲۰۵۹

(۳) اِقتصاد فی المعیشت کا تصور

صرف اور خرچ میں اِقتصاد کا حکم

جس طرح ’’کسبِ معاش‘‘ میں آپ نے یہ ضروری قرار دیا کہ حاصل کردہ شے ’’حلال‘‘ ہو ’’حرام‘‘ نہ ہو اور ’’طیب‘‘ ہو ’’خبیث‘‘ نہ ہو۔ اسی طرح صرف اور خرچ کے معاملے میں اقتصاد کا حکم فرمایا۔ صرف اور خرچ کا پہلو دو حصوں میں منقسم ہے ایک کا تعلق انفرادی زندگی سے ہے۔ اس کے متعلق ارشاد ہے:

۱۔ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا۔(۱)

’’کھاؤ اور پیو اور حد سے زیادہ خرچ نہ کرو۔‘‘

۲۔ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًاo اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِo(۲)

’’اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤo بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہےo‘‘

ان ہر دو آیات میں اپنی جائز اور حلال کمائی کے صرف کرنے کو دو شرطوں کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے ایک یہ کہ ’’اسراف‘‘ نہ ہو اور دوسری یہ کہ ’’تبذیر‘‘ نہ ہو۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

۱۔ الإقتصاد في النفقة نصف المعيشة۔(۳)

(۱) الأعراف، ۷: ۳۱

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶، ۲۷

(۳) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۷: ۲۵، رقم: ۶۷۴۴

۲۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۵: ۲۵۴، رقم: ۶۵۶۸

۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱: ۱۶۰

۴۔ مناوی، فیض القدیر، ۳: ۱۸۷

”(آمدن و صرف میں) میانہ روی معاشی زندگی کی خوشگواری کا نصف حصہ ہے۔“

۲۔ آپ ﷺ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

أمسک علیک بعض مالک فھو خیر لک۔

”اپنے مال میں سے کچھ بچا لو یہ تمہارے حق میں بہتر رہے گا۔“

تب حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: خیبر (کی زمین) میں جو میرا حصہ ہے وہ میں نے بچا لیا ہے۔(۱)

۳۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے اس سوال پر ۔ کہ میں اپنا کل مال خدا کی راہ میں بذریعہ وصیت دے ڈالتا ہوں ۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أن تدع ورثتک أغنیاء خیر من أن تدعھم عالة یتکففون النّاس في أیدیھم۔(۲)

”اپنے ورثاء کو صاحب مال چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ وہ محتاج رہ جائیں اور

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالك، ۴: ۱۶۰۷، رقم: ۴۱۵۶
۲۔ أبوداود، السنن، کتاب الایمان والنذور، باب فیمن نذر، ۳: ۲۴۰، رقم: ۳۳۱۷
۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۸: ۱۶۳
۴۔ عبد الرزاق، المصنف، ۹: ۷۴
۵۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۵۴

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب النفقات، باب فضل النفقة، ۵: ۲۰۴۷، رقم: ۵۰۳۹
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۷۳، رقم: ۱۴۸۸
۳۔ أبوعوانه، المسند، ۳: ۴۸۳، رقم: ۵۷۷۷
۴۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۶: ۲۶۸، رقم: ۱۲۳۴۵

www.MinhajBooks.com

بھیک مانگتے پھریں۔“

اس لئے تہائی مال میں وصیت کر دینا کافی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيۡنَ اِذَاۤ اَنۡفَقُوۡا لَمۡ يُسۡرِفُوۡا وَلَمۡ يَقۡتُرُوۡا وَكَانَ بَيۡنَ ذٰلِكَ قَوَامًا○[۱]

”اور (یہ) وہ لوگ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا (زیادتی اور کمی کی) ان دو حدوں کے درمیان اعتدال پر (مبنی) ہوتا ہے○“

اس آیت کی تفسیر میں ابن کثیر فرماتے ہیں:

فشرع الله عدل بين الغالى فيه والجا في عنه لا إفراط ولا تفريط۔[۲]

”پس اللہ تعالیٰ نے اس میں غلو کرنے والے اور اس سے اعراض کرنے والے کے درمیان عدل قائم کر دیا بغیر افراط و تفریط کے یعنی اس میں نہ افراط رہا اور نہ تفریط۔“

پھر تبذیر سے نفرت دلاتے ہوئے مبذر کو شیطان کا ہم سر بنایا اور اسی قسم کی اور بھی آیات ممانعت تبذیر میں نازل ہوئی ہیں۔

۱۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں حق کے خلاف ہر قسم کے صرف اور خرچ کا نام ”تبذیر“ ہے۔

۲۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے ناحق صرف کر دیا تو یہ تبذیر ہے۔

---

(۱) الفرقان، ۲۵:۶۷

(۲) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲: ۸۹

۳۔ قتادہ کہتے ہیں تبذیر نام ہے مال کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، ناحق اور فساد کے مواقع میں صرف کرنے کا۔[1]

۴۔ امام احمدؒ بروایت ہاشمؒ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں بنی تمیم کا ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں بہت مالدار ہوں اور میرے اہل و عیال بھی ہیں اور مہمانداری بھی خاصی ہوتی رہتی ہے تو آپ ﷺ مجھے یہ بتایئے کہ میں کس طرح خرچ کروں، اور اس معاملے میں کیا کروں؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اپنے مال سے پہلے زکوٰۃ نکال اگر وہ زکوٰۃ کی مقدار کو پہنچتا ہے اس لیے کہ زکوٰۃ مال کو خباثت سے پاک کر دیتی ہے اور پھر اقرباء کے ساتھ مالی صلہ رحمی کر اور سائل مسافر اور مسکین کے حقوق کی ادائیگی کر۔ اس شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس تمام تفصیل کو جامع اور مختصر الفاظ میں فرما دیجئے (کہ میں اس کو دستورِ زندگی بنا لوں) تب آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر سنا دی:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا○[2]

”اور قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو) اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤ○“

سائل نے یہ سن کر عرض کیا کہ بس یہ میرے لیے کافی ہے۔[3]

اور امام رازیؒ آیت - والّذین اذا أنفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا و کان بین ذلک قواماً - کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”اسراف اور تبذیر کے متعلق مفسرین نے مختلف وجوہ بیان کی ہیں ان میں سے

---

(۱) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۵: ۵۲

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶

(۳) ۱۔ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۳: ۳۷

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۳۶، رقم: ۱۲۴۱۷

قوی تر یہ ہے کہ ’’إنّه تعالٰی وصفهم بالقصد الّذی هو بين الغلو والتقصير‘‘ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ معیشت کے معاملہ میں میانہ روی اختیار کرتے ہیں نہ بے جا غلو کرتے ہیں نہ بے محل بخل برتتے ہیں۔ اسی لیے قرآن عزیز میں دوسری جگہ حضور نبی اکرم ﷺ کو اس طرح مخاطب کیا گیا ہے:

وَلَا تَجۡعَلۡ يَدَكَ مَغۡلُوۡلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبۡسُطۡهَا كُلَّ الۡبَسۡطِ۔[۱]

’’اور نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھا ہوا رکھو (کہ کسی کو کچھ نہ دو) اور نہ ہی اسے سارا کا سارا کھول دو (کہ سب کچھ ہی دے ڈالو)۔‘‘

اور آیت ’’کان بین ذالک قواما‘‘ میں قوام سے اعتدال اور درمیانی راہ مراد ہے یعنی میانہ روی ان کا شعار ہے۔[۲]

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من فقه الرجل رفقه في معيشة۔[۳]

’’کسی شخص کی دانائی میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنی معیشت میں نرمی (اعتدال) اختیار کرے۔‘‘

ان تمام حوالہ جات کا حاصل یہ ہے کہ نصوصِ قرآن و حدیث ’’معیشت‘‘ میں

---

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۹

(۲) رازی، التفسیر الکبیر، ۲۴: ۹۵

(۳) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۱۹۴، رقم: ۲۱۷۴۲

۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۷۴

۳۔ ابن أبی شیبة، المصنف، ۷: ۱۲۴، رقم: ۳۴۶۸۸

۴۔ طبرانی، مسند الشامیین، ۲: ۳۵۲، رقم: ۱۴۸۲

۵۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۴: ۶، رقم: ۶۰۱۰

۶۔ أبو نعیم، حلیة الأولیاء، ۱: ۲۱۱

www.MinhajBooks.com

صرف اور خرچ کے متعلق یہ چند باتیں بنیادی طور پر ضروری قرار دی گئی ہیں۔

۱۔ صرفِ مال میں نہ ’’اسراف‘‘ درست ہے نہ ’’تبذیر‘‘ اور نہ ’’تقتیر‘‘ اور تینوں الفاظ کا مفہوم اسلامی اصطلاح کے مطابق مراد ہے نہ کہ صرف لغوی معنی کے مطابق۔

۲۔ میانہ روی (اقتصاد) ہی معیشت کی عادلانہ راہ ہے اور صالح اجتماعی نظامِ معیشت کے لیے ایک ذریعہ۔

۳۔ ’’فرد‘‘ چونکہ جسم جماعت کا ایک عضو ہے اس لیے اس کی انفرادی آمدنی پر اجتماعی معیشت کے حقوق بھی عائد ہیں اور جس قدر وہ کماتا ہے اسی نسبت سے یہ حقوق اس پر زیادہ ہوتے جاتے ہیں اور اسلامی اصطلاح میں اس کا نام ’’انفاق فی سبیل اللہ‘‘ ہے۔

۴۔ انفرادی معیشت میں اپنی اور اپنے اہل وعیال کی قوت لا یموت اور ساتر عورت لباس اور ضرورت رہائش کے مطابق مکان تمام حقوق سے مقدم اور فرض اولین ہے اور اس کے بعد دیگر تفاصیل ہیں جن کی اجمالی وضاحت یہ ہے:

الف) اگر وہ صاحبِ نصاب ہے تو سب سے پہلے صدقاتِ واجبہ (زکوٰۃ وغیرہ) کا ادا کرنا اس کے ذمے فرض ہے گویا اس صورت میں اجتماعی حق انفرادی حق پر مقدم ہے۔

ب) صدقات واجبہ کی اداء کے باوجود ’’انفرادی مال‘‘ پر کچھ اور بھی اجتماعی حقوق عائد ہیں اسی لیے حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ’’إنّ في المال لحقا سوی الزکاۃ‘‘ مثلاً اگر بیت المال کا خزانہ ہر شخص کی انفرادی معیشت کے لیے پورا نہ ہو سکے تو ’’خلیفہ‘‘ جبراً اہلِ دولت سے مال حاصل کر کے اس کمی کو پورا کرسکتا ہے اگرچہ وہ اربابِ دولت، صدقات واجبہ کی ادائیگی

سے سبکدوش ہو چکے ہوں۔ (۱)

ج) عام انسانی حالات میں صدقاتِ نافلہ یعنی ’’حقوق ثانوی‘‘ ایسی حالت میں ادا کیئے جائیں کہ اپنے اور اہل وعیال کے لیے مال کا ایک حصہ محفوظ رہے تاکہ وہ مفلس وقلاش ہو کر نہ رہ جائیں۔ اس کی تعبیر یوں بھی کی جا سکتی ہے کہ اس کو مستقبل کے لیے اپنے اور اہل وعیال کے لیے کچھ پس انداز کر رکھنا مناسب ہے۔ چنانچہ حدیث - ’’**خير الصّدقه ما كان عن ظهر غنی**‘‘ (۲) - اسی جانب اشارہ کرتی ہے۔

د) خاص حالات انسانی میں ’’**ایثار علی النفس**‘‘ اولی اور افضل ہے یعنی اگر انسانی نفوس ضبطِ نفس اور صبر کے درجہ کمال پر فائز ہیں تو انفاق فی سبیل اللہ میں تمام مال کو صرف کر دینا محبوب ہے۔ چنانچہ آیت - ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (۳) ’’ان کو اگر ذاتی حاجت بھی ہوتی ہے

---

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الزکاۃ، باب ما جاء أن في المال، ۳: ۴۸، رقم: ۶۵۹

۲۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۴: ۸۴، رقم: ۷۰۳۴

۳۔ سعید بن منصور، السنن، ۵: ۱۰۰، رقم: ۹۲۶

۴۔ سیوطی، شرح سنن ابن ماجه، ۱: ۱۲۸، رقم: ۱۷۸۹

۵۔ مناوی، فیض القدیر، ۲: ۴۷۲

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب لا صدقة إلا عن ظهر غنى، ۲: ۵۱۸، رقم: ۱۳۶۰

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب بیان أن الید العلیا خیر من الید السفلی، ۲: ۷۱۷، رقم: ۱۰۳۴

۳۔ ابن خزیمه، الصحیح، ۴: ۹۶، رقم: ۲۴۳۶

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۸: ۱۴۹، رقم: ۳۳۶۳

(۳) الحشر، ۵۹: ۹

تب بھی وہ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) دوسروں کو خود پر ترجیح دیتے ہیں'' اور حدیث ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ **أفضل الصّدقة جهد من مقل.**[1] (سب سے بہترین صدقہ اسی شخص کا ہے جو قلیل المال ہو کر مال کو خدا کی راہ میں خرچ کر ڈالتا ہے)۔ اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایک موقعہ پر تمام مال کو خدا کی راہ میں پیش کر دینا اسی مسئلہ کی جانب راہنمائی کرتا ہے۔ انفرادی معیشت میں ''اقتصاد'' (میانہ روی) مطلوب ہے اور ''اکتناز'' (اجتماعی حقوق کو نظر انداز کر کے دولت کو ذخیرہ کرنا) اور ''احتکار'' (ناجائز وسائل معیشت سے مال اکٹھا کرنا) حرام اور مردود ہے اور انفرادی دولت، اجتماعی دولت کے لیے ایک ذریعہ ہے نہ کہ اس کے لیے سنگ راہ۔

(۴) معاشی ترجیحات کا منصفانہ تعین

i. اَفرادِ معاشرہ کی حق معاش میں برابری

آپ کے عطا کردہ معاشی اصولوں اور رہنمائی کے مطابق اَصل رِزق اور حق معاش میں سب انسان برابر ہیں۔ فرق اور تفاوت صرف درجات میں ہے۔ اصل رزق اورحقِ معاش میں کھانا، پینا، لباس، رہائش، بنیادی تعلیم اور علاج معالجہ جیسی تمام بنیادی ضروریات آ جاتی ہیں۔ جن میں تمام انسان برابر کے حق دار کے طور پر شامل ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَدَّرَ فِيهَا اَقْوَاتَهَا فِيْ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ط سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَo[2]

''اور اس میں (جملہ مخلوق کے لئے) غذائیں (اور سامانِ معیشت) مقرر فرمائے

(۱) بیہقی، السنن الکبریٰ، ۴: ۱۸۰، رقم: ۷۵۶۱

(۲) حم السجدہ، ۴۱: ۱۰

(یہ سب کچھ اس نے) چار دنوں (یعنی چار ارتقائی زمانوں) میں مکمل کیا، (یہ سارا رِزق اصلاً) تمام طلب گاروں (اور حاجت مندوں) کے لئے برابر ہے۝۔‘‘

اس آیت کریمہ کا یہی مفہوم کئی مفسرین کرام نے بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

والمعنی: وقدر فیها أقواتها سواء للمحتاجین واختاره طبری۔(۱)

’’اور اس آیت وَقَدَّرَ فِيْهَا اَقْوَاتَهَا کا معنی ہے کہ یہ تمام محتاجوں کے لئے برابر ہے، اور اس قول کو امام طبری نے اختیار کیا ہے۔‘‘

قرآن حکیم نے سورہ روم میں بھی یہی اسلوب اختیار کرتے ہوئے اس تصور کو مزید وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے:

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۝ (۲)

’’اُس نے (نکتۂ توحید سمجھانے کے لئے) تمہارے لئے تمہاری ذاتی زندگیوں سے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ کیا جو (لونڈی، غلام) تمہاری مِلک میں ہیں اس مال میں جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے شراکت دار ہیں، کہ تم (سب) اس (ملکیت) میں برابر ہو جاؤ۔ (مزید یہ کہ کیا) تم ان سے اسی طرح ڈرتے ہو جس طرح تمہیں اپنوں کا خوف ہوتا ہے (نہیں) اسی طرح ہم عقل رکھنے

(۱) ۱۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱: ۲۵۶
۲۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۲۴: ۹۶
۳۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴: ۹۴

(۲) الروم، ۳۰: ۲۸

والوں کے لئے نشانیاں کھول کر بیان کرتے ہیں (کہ اللہ کا بھی اس کی مخلوق میں کوئی شریک نہیں ہے)o‘‘

یہاں بھی ’’فانتم فیه سواء‘‘ کا اعلان، بنیادی حق معاش میں سب کی برابری کا قطعی ثبوت کے طور پر آئینہ دار ہے جسے درجات رزق میں تفاوت کے منافی ہرگز نہیں گردانا جاسکتا۔ اس کا مفاد اجمالاً یہ ہے کہ ضروریات زندگی سے کوئی بھی محروم نہ رہنے پائے مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک کو نوعیت و ماہیت کے اعتبار سے ان کی فراہمی ایک جیسی ہو بلکہ ہر شے میں یہ فرق و تفاوت فطری اور نظام قدرت کا حصہ ہے۔ مگر دونوں کی حدیں الگ الگ ہیں۔ حق المعاش میں برابری کی اپنی حد ہے اور درجات معاشی میں تفاوت کی اپنی حد ہے۔ جس طرح برابری کا حق تفاوت کو نہیں مٹا سکتا، اسی طرح یہ حق بھی کسی کو نہیں پہنچتا کہ تفاوت کے نام پر حق معاش کی برابری کا خاتمہ کر دے۔ بلکہ کسی بھی فرد معاشرہ کے معاشی حقوق کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ سے فرمایا:

من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له، ومن كان له فضل من زاد فليعد به على من لا زاد له، قال: فذكر من أصناف المال ما ذكر حتى رأينا أنه لا حق لأحد منّا في فضل۔(۱)

’’تم میں سے جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہے وہ اس کو لوٹا دے جس کے پاس نہیں ہے جس کے پاس ضرورت سے زائد سامان خورد و نوش ہے وہ اسے لوٹا دے جس کے پاس نہیں ہے۔ اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ مختلف اصناف مال کا ذکر فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة بفضول المال، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۱۷۲۸
۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب فی حقوق المال، ۲: ۱۲۵، رقم: ۱۶۶۳

ضرورت سے زائد کسی بھی شے میں ہمارا حق نہیں رہا۔‘‘

ii. تفاوتِ رزق اور انسانی وقار

اسی طرح درجات رزق میں پائے جانے والے تفاوت کے حوالے سے قرآن مجید نے ایک بنیادی نکتہ یوں واضح کیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ط نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا۔(۱)

’’کیا آپ کے رب کی رحمتِ (نبوّت) کو یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ ہم اِن کے درمیان دنیوی زندگی میں ان کے (اسبابِ) معیشت کو تقسیم کرتے ہیں اور ہم ہی ان میں سے بعض کو بعض پر (وسائل و دولت میں) درجات کی فوقیت دیتے ہیں (کیا ہم یہ اس لئے کرتے ہیں) کہ ان میں سے بعض (جو امیر ہیں) بعض (غریبوں) کا مذاق اڑائیں۔‘‘

پس ایک اسلامی معاشرے میں جہاں تمام افراد کے لئے بنیادی حق معاش میں مساوات کا حکم دیا گیا ہے، وہاں درجاتِ رزق میں تفاوت کا تصور بھی موجود ہے۔ لیکن یہ تفاوت صرف مراتب رزق میں روا ہے بنیادی حق میں نہیں۔ تفاوت رزق میں یہ تفاوت تقاضائے ربوبیت اور حکمت احتساب الٰہیہ پر مبنی ہے۔ جبکہ انسانوں کی طرف سے مستحقین کو بنیادی حق معیشت سے محروم رکھنا باری تعالیٰ کی خالقیت، ربوبیت اور رحمانیت کے منافی ہے۔

یہی سبب ہے کہ قرآن حکیم نے درجاتِ رزق میں تفاوت کو آزمائش قرار دیتے

(۱) الزخرف، ۴۳: ۳۲

ہوئے یوں ارشاد فرمایا:

وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا اٰتٰكُمْ ط اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ○[۱]

’’اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجات میں بلند کیا تاکہ وہ ان (چیزوں) میں تمہیں آزمائے جو اس نے تمہیں (امانتاً) عطا کر رکھی ہیں۔ بیشک آپ کا رب (عذاب کے حقداروں کو) جلد سزا دینے والا ہے○‘‘

یہ آزمائش اس لئے ہے کہ انسان حکم الٰہی کے مطابق دوسروں کے حق میں اپنے اوپر عائد ہونے والی ذمہ داری کس حد تک پوری کرتا ہے۔ اگر وہ یہ ذمہ داری نبھانے میں کوتاہی کرتا ہے تو وہ اپنے جرم کی سنگینی کے مطابق سزا کا حقدار ہے اور قرآن کی نظر میں سزا کی ایک صورت اس نعمت سے محروم کر دیا جانا بھی ہے۔ جس کا حق اسلامی ریاست کو حاصل ہے۔

یعنی اگر کوئی شخص اپنی رضا و رغبت سے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال و دولت سے محروم المعیشت افراد کا حق ادا نہیں کرتا تو ریاست کو یہ قانونی حق حاصل ہوگا کہ وہ اس سے حکماً ضرورت سے زائد چھین کر مستحقین میں تقسیم کر دے۔

iii. اِجتماعی مفاد کی اِنفرادی مفادات پر ترجیح

ملکیت کے مندرجہ بالا تصور میں انفرادی ملکیت کی نفی نہیں کی گئی۔ قرآن حکیم نے جہاں جہاں بھی انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی ہے وہاں افراد معاشرہ کی ملکیت کو تسلیم کرتے ہوئے یہ ترغیب دی گئی ہے:

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ○[۲]

(۱) الانعام، ۶: ۱۶۵

(۲) الذاریات، ۵۱: ۱۹

”اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجت مندوں) کا حق مقرر تھا“

ان اور دیگر آیات سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسلام نے انفرادی حق و مفاد کو تسلیم کیا اور اسے جائز قرار دیا ہے مگر ﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾[1] (وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا) کے مصداق بنیادی حق معیشت کے حوالے سے ”ما في الأرض جميعا“ کو افراد معاشرہ کے لئے مباح قرار دیا۔ اس طرح کسی فرد واحد یا افراد جماعت کو اسلامی معاشرے میں ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہو گا کہ انہیں معاشی مفاد کے ایسے حقوق کا مالک بنا دیا جائے جو ”مفاد عامہ“ کے خلاف ہو۔ بلکہ جہاں بھی انفرادی مفاد کی وجہ سے اجتماعی مفاد پر زد پڑتی ہو وہاں اجتماعی مفاد کو انفرادی مفادات پر ترجیح دی جائے گی اسلامی معیشت کے اس بنیادی اصول کی وضاحت درج ذیل احادیث مبارکہ سے ہوتی ہے:

۱۔ عن أبيض بن حمال أنّه وفد إلى رسول الله ﷺ فاستقطعه الملح قال ابن المتوكّل الّذى بمأرب فقطعه له فلمّا أن ولّى قال رجل من المجلس: أتدرى ما قطعت له إنّما قطعت له الماء العدّ قال: فانتزع منه۔[2]

”حضرت ابیض بن حمال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مآرب میں نمک کی جو جھیل تھی اس کو عطیہ کے طور پر مانگا۔ آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ ایک شخص نے یہ دیکھ کر عرض کیا: یا

(۱) البقرہ، ۲: ۲۹

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إقطاع الأرضين، ۳: ۱۷۴، رقم: ۳۰۶۴

۲۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۶: ۱۴۹، رقم: ۱۱۶۰۸

رسول اللہ! آپ نے نمک کا ہمیشہ جاری رہنے والا خزانہ کیوں اس کے حوالے کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے وہ اس کی اصل حقیقت سے آ گاہی کے بعد واپس لے لیا اور دینے سے انکار فرما دیا۔‘‘

۲۔ عن عمرو بن عوف المزنيّ إنّ النّبيّ ﷺ أقطع بلال بن الحارث المزنيّ معادن القبليّة جلسيّها وغوريّها وحيث يصلح الزّرع من قدس ولم يعطه حقّ مسلم وكتب له النّبيّ ﷺ (كتابا)۔[۱]

’’حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بلال بن حارث کو مقام قبلیہ کے پست و بلند حصوں کی کانیں عطیہ کے طور پر دے دیں اور مقام قدس کے ان حصوں کو بھی دیا جو کھیتی کے قابل تھے اور آپ ﷺ نے اس عطیہ میں کسی مسلمان کا حق ان کو نہیں دیا اور اس کے لئے ان کو فرمان لکھ دیا۔‘‘

ان احادیث کی روشنی میں یہ اُصول طے پاجاتا ہے کہ جہاں عامۃ الناس کے مفادات کا معاملہ ہو وہاں کسی فرد واحد یا واحد مخصوص جماعت کو حق ملکیت نہیں دیئے جا سکتے۔

انفرادی مفادات پر اجتماعی مفاد کو ترجیح دینے کے اصول پر عمل ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی نظر آتا ہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عراق اور شام فتح ہوا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے مطالبہ کیا کہ ان ملکوں کی زمینوں کو ہم پر تقسیم کر کے ہمیں ان کا مالک بنا دیا جائے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ خصوصیت کے ساتھ اس پر مصر تھے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے اس بنا پر انکار کر دیا کہ اگر مفتوحہ زمینیں مجاہدین میں ہی

(۱) أبو داود، السنن، کتاب الخراج، باب اقطاع الأرضين، ۳: ۱۷۳، رقم: ۳۰۶۲

تقسیم کر دی گئیں تو سرحدوں کے انتظامات، شہروں اور ملکوں کے انتظامات، لشکروں کی ضروریات، بعد میں آنے والے مسلمانوں کی حاجات اور دیگر مستحق غربا کی ضروریات کے لئے آمدنی کہاں سے آئے گی۔ اس معاملے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں موجود اختلاف کو رفع کرنے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اوّل جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس مشاورت منعقد کی اور اس معاملے کو ان کے سامنے پیش کر کے ان کی رائے طلب فرمائی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے دلائل سن کر سب نے آپ سے اتفاق کیا۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں:

> والّذي راٰی عمر رضی اللہ عنہ من الامتناع من قسمة الأرضين بين من افتتحها عند ما عرفه الله ما كان في كتابه من بيان ذلك توفيقًا من الله كان له فيما صنع، وفيه كانت الخيرة لجميع المسلمين، وفيما راٰه من جمع خراج ذلك وقسمة بين المسلمين عموم النفع لجماعتهم۔(۱)

> ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے کہ انہوں نے مجاہدین اور فاتحین کے درمیان اراضی کو تقسیم کرنے سے انکار کر دیا اور اپنی رائے کی موافقت میں قرآن مجید کے دلائل پیش کیے یہ سب اللہ تعالیٰ کی توفیق کا نتیجہ تھا اور دراصل اس میں ہی تمام مسلمانوں کی بھلائی تھی اور خراج کا جمع ہونا اور اس کا مسلمانوں کی ضروریات پر خرچ ہونا جماعتی مفاد کے اعتبار سے تقسیم اراضی کے مقابلے میں بدر جہا مفید تھا۔“

یعنی اسلام کے تصور معیشت اور قرآن حکیم کی انسانی فلاح اور عمل احسان کی تعلیم کی رو سے اسلامی معاشرہ میں اُصولی طور پر انفرادی مفاد پر اجتماعی مفاد کو ترجیح دی جائے گی۔

(۱) ابو یوسف، کتاب الخراج: ۲۹

iv. اِرتکازِ دولت کی مذمت

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارتکازِ دولت کی ہرصورت کی اپنے قول وعمل سے نفی فرمائی۔ اگر کوئی شخص اپنے مملوکہ اموال کی آمدنی اور منافع اس خیال سے کہ یہ میری ذاتی ملکیت ہے صرف اپنی ضروریات اور آسائشوں تک رکھے اور ان سے دوسروں کو فائدہ نہ اٹھانے دے یعنی دوسرے مستحقین کے شرعاً تسلیم شدہ حقوق پورے نہ کرے تو اسے دولت کا جمع کرنا یا ارتکاز واکتناز کہا جائیگا اور یہ امر شریعت میں حرام بلکہ باعثِ عذابِ جہنم ہے باوجود اس کے کہ اس نے وہ ساری دولت اپنے جائز ملکیتی ذرائع سے کمائی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

۱۔ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ لا فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍO يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ط هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَO(۱)

’’اور جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں۔ جس دن اس (سونے، چاندی اور مال) پر دوزخ کی آگ میں تاپ دی جائے گی O پھر اس (تپے ہوئے مال) سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی، (اور ان سے کہا جائے گا) کہ یہ وہی (مال) ہے جو تم نے اپنی جانوں (کے مفاد) کے لئے جمع کیا تھا سو تم (اس مال کا) مزہ چکھو جسے تم جمع کرتے رہے تھےO۔‘‘

۲۔ اس کا مقصد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

(۱) التوبۃ، ۹: ۳۴، ۳۵

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ۔[1]

’’(یہ نظامِ تقسیم اس لئے ہے) تاکہ (سارا مال صرف) تمہارے مال داروں کے درمیان ہی نہ گردش کرتا رہے (بلکہ معاشرے کے تمام طبقات میں گردش کرے)۔‘‘

۳۔ اَلَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ○ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ○ كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ○ وَمَا اَدْرٰكَ مَا الْحُطَمَةُ ○ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ○ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ ○ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ○ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ○[2]

’’(خرابی وتباہی ہے اس شخص کے لیے) جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے○ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کی دولت اسے ہمیشہ زندہ رکھے گی○ ہرگز نہیں! وہ ضرور **حطمه** (یعنی چورا چورا کردینے والی آگ) میں پھینک دیا جائے گا○ اور آپ کیا سمجھے ہیں کہ **حطمه** (چورا چورا کردینے والی آگ) کیا ہے؟ (یہ) اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے○ جو دلوں پر (اپنی اذیت کے ساتھ) چڑھ جائے گی○ بیشک وہ (آگ) ان لوگوں پر ہر طرف سے بند کر دی جائے گی○ (بھڑکتے شعلوں کے) لمبے لمبے ستونوں میں (اور ان لوگوں کے لئے کوئی راہِ فرار نہ رہے گی)○‘‘

الغرض معاشی زندگی کے باب میں آپ کی عطا کردہ تعلیمات اور بنیادی تصورات اپنے معنی و مفہوم اور روح کے لحاظ سے انفرادیت کے حامل ہیں۔ یہ اسلام کے معاشی نظام کی وہ خشتِ اول ہیں جو اس کی پوری ساخت وتشکیل کو دنیا کے دیگر معاشی نظاموں سے ممتاز کرتی ہیں اور انسانیت کی فلاح و بہبود کی ضمانت عطا کرتی ہیں۔

(۱) الحشر، ۵۹: ۷

(۲) الھمزہ، ۱۰۴: ۲۔۹

۲۔ سیرۃُ الرسول ﷺ اور فلاحی معیشت کا قیام

(۱) اَفرادِ معاشرہ پر وجوبِ کسبِ رزق

حضور نبی اکرم ﷺ نے افرادِ معاشرہ کو کسبِ رزق کی تعلیم فرمائی اور معاشرے کے ماہرین صنعت و حرفت اور پیشہ ور کاریگروں کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ کیونکہ کسبِ رزق انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے اور بہترین کسبِ رزق وہ ہے جو اپنے ہاتھ سے کیا جائے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایسے بے روزگار جو جان بوجھ کر کوئی کام نہیں کرتے انکی حوصلہ شکنی کی جائے کیونکہ ایسے لوگ معاشرے پر بوجھ ہوتے ہیں۔ اسلام میں اس طرح کی بے روزگاری گداگری اور توکل کا کوئی تصور نہیں بلکہ توکل کا مفہوم یہ ہے کہ اسباب کو اختیار کیا جائے اور نتائج اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے حاصل کیے جائیں اور جو ایسا نہیں کرتا وہ توکل کرنے والا نہیں ہے۔ رزق کا حصول انتھک کوشش کے ساتھ مشروط ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (۱)

’’اور فرما دیجئے: تم عمل کرو، سو عنقریب تمہارے عمل کو اللہ (بھی) دیکھ لے گا اور اسکا رسول (بھی) اور اہل ایمان (بھی) اور تم عنقریب ہر پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والے (رب) کی طرف لوٹائے جاؤ گے، سو وہ تمہیں ان (اعمال) سے خبردار فرما دے گا جو تم کرتے رہتے تھے ۝‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما أكل أحد طعامًا قط، خيرًا من أن يأكل من عمل يده وأنّ نبي

(۱) التوبة، ۹: ۱۰۵

اللہ داود علیہ السلام کان یأکل من عمل یدہ۔[1]

’’بہترین کھانا وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھ سے کما کر کھائے اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کما کر کھایا کرتے تھے۔‘‘

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما یزال الرّجل یسأل النّاس، حتّی یأتی یوم القیامۃ لیس في وجھہ مزعۃ لحم۔[2]

’’آدمی ہمیشہ لوگوں سے مانگتا رہتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن جب وہ حاضر ہوگا تو اس کے چہرے پر گوشت کا ٹکڑا نہ ہوگا۔‘‘

(۲) ذرائع معیشت کی تلاش

مواخات مدینہ سے یہ امر واضح ہے کہ استحکام معیشت کے اقدامات کو ایک مستحسن عمل قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا ان ذرائع معیشت کی تلاش کی جانی چاہیے جو معیشت کے استحکام کا باعث بنیں۔ کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو کچھ اس کائنات میں پایا جاتا ہے وہ انسان کیلئے مسخر کر دیا گیا ہے اور وہ اس سے مستفید ہو رہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَمۡ تَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ وَاَسۡبَغَ عَلَیۡکُمۡ نِعَمَہٗ ظَاہِرَۃً وَّبَاطِنَۃً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیۡرِ

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب البیوع، باب کسب الرجل، ۲: ۷۳۰، رقم: ۱۹۶۶

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب من سأل الناس تکثرا، ۱: ۵۳۶، رقم: ۱۴۰۵

۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۹: ۳۳۱، رقم: ۹۸۷۲۰

عِلۡمٍ وَّلَا هُدًى وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنِيۡرٍ ۝(۱)

"(لوگو!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لئے ان تمام چیزوں کو مسخّر فرما دیا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اور اس نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں۔ اور لوگوں میں کچھ ایسے (بھی) ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب (کی دلیل) کے ۝"

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

قُلۡ لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا يَغۡفِرُوۡا لِلَّذِيۡنَ لَا يَرۡجُوۡنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجۡزِىَ قَوۡمًا ۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ۝(۲)

"آپ ایمان والوں سے فرما دیجئے کہ وہ اُن لوگوں کو نظر انداز کر دیں جو اللہ کے دنوں کی (آمد کی) امید اور خوف نہیں رکھتے تا کہ وہ اُن لوگوں کو اُن (کے اعمال) کا پورا بدلہ دے دے جو وہ کمایا کرتے تھے ۝"

جو شخص قرآن مجید کی اس مضمون کی آیات پر تفکر کرتا ہے وہ اس حوالے سے تمام تفصیل کو جان لیتا ہے۔

۱۔ اطلبوا الرزق في خبايا الأرض۔(۳)

"رزق کو زمین کی پہنائیوں میں تلاش کرو۔"

(۱) لقمان، ۳۱: ۲۰

(۲) الجاثية، ۴۵: ۱۴

(۳) ۱۔ أبو يعلى، المسند، ۷: ۳۴۷، رقم: ۴۳۸۴

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۳، رقم: ۶۲۳۷

۲۔ عن أنس ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: ما من مسلم يغرس غرسًا أو يزرع زرعًا فيأكل منه طير أو إنسان أو بهيمة إلا كان له به صدقة۔(۱)

''حضرت انس ﷺ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان درخت لگاتا ہے یا کھیتی باڑی کرتا ہے اور اس میں سے جانور یا انسان یا چوپائے اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں تو یہ عمل اس (مؤمن) کے حق میں صدقہ بن جاتا ہے۔''

۳۔ ما من رجل يغرس غرسًا إلا كتب الله ﷻ له من الأجر قدر ما يخرج من ثمر ذلك الغرس۔(۲)

''جس شخص نے کوئی درخت لگایا تو اللہ رب العزت اس درخت سے حاصل ہونے والے پھل کی مقدار کے برابر اس کے لئے اجر لکھ دیتا ہے۔''

اسلام نے اسی حوالے سے حکومت کی ذمہ داری کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ حکومت مال کو احسن طریقہ سے خرچ کرے۔ جس سے جو حق لینا ہے وہ اس سے لے اور جس کو دینا ہے اسے وہ حق دے اور اس سلسلے میں عدل و انصاف کا مظاہرہ کرے۔ اس ضمن میں حضرت عمر فاروق ﷺ نے جو کچھ فرمایا اس کا مفہوم کچھ یوں ہے:

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المزارعة، باب فضل الزرع والغرس إذا أكل منه، ۲: ۸۱۷، رقم: ۲۱۹۵

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب فضل الغرس والزرع، ۳: ۱۱۸۹، رقم: ۱۵۵۳

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۴۱۵، رقم: ۲۳۵۶۷

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۷، رقم: ۶۲۶۶

”بے شک یہ مال اللہ کا ہے اور تم اسکے بندے ہو۔ اور اس مال میں سے دور دراز مقام والے چرواہے کا حصہ بھی اسے پہنچنا چاہیے درآنحالیکہ وہ اپنی بکریاں چرا رہا ہو۔ اور جس نے خیانت کی وہ آگ میں دھکیلا جائے گا۔“

ذرائع معیشت کی تلاش اور بروئے کار لانے کے باب میں حضور نبی اکرم ﷺ نے مردہ اور غیر آباد زمینوں پر ان کے آباد کرنے والے کو حق ملکیت عطا فرمایا۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

من أحيا أرضاً ميتةً فهي له۔ (۱)

”جس نے کسی مردہ زمین کو آباد کیا، وہ اسی کی ملکیت ہوگی۔“

اس سے مراد یہ ہے کہ دراصل اس زمین کے اندر خوابیدہ صلاحیت تو تھی لیکن اس نے ابھی تک حقیقی صورت اختیار نہ کی تھی۔ اب جس نے اسے زندہ کر کے قابل کاشت بنا دیا، یعنی اس کی مخفی صلاحیت کو حقیقی صورت دے کر فعال کر دیا وہی اس کا مالک متصور ہوگا۔ گویا نفع اٹھانا اور دوسروں کو نفع اٹھانے دینا ہی حق ملکیت کے جواز کی بنیاد ہے اور اگر کوئی شخص خود تو اس سے نفع اٹھائے لیکن خلقِ خدا کو نفع حاصل نہ کرنے دے تو اس نے ملکیت کے مقصد کو فوت کر دیا اور اس نے اپنے حق ملکیت کی بنیاد کی اپنے عمل سے نفی کر دی۔

www.MinhajBooks.com

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في أخذ الجزية، ۳: ۱۷۸، رقم: ۳۰۷۳

۲۔ مالك، الموطأ، ۲: ۷۴۳، رقم: ۱۴۲۴

۳۔ نسائي، السنن الكبرى، ۳: ۴۰۵، رقم: ۵۷۶۱

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۳۸، رقم: ۱۴۶۷۷

(۳) زمین اور اس کی پیداوار میں حق کی برابری

زمین بلاشبہ قدرت کا بیش بہا عطیہ ہے جو نہایت فراخی سے بنی نوع انسان کو عطا کیا گیا ہے۔ زمین معاشی پیداوار کا بے بہا خزانہ ہے جس میں اصلاً تمام انسانوں کا حق معاش برابر ہے۔ مگر جو اس پر شرعاً قابض اور متصرف ہو اور اس میں اپنا سرمایہ یا محنت صرف کرے اس کا حق، انتفاع اور استعمال میں دوسروں پر فائق ہو جاتا ہے۔ ورنہ اصلاً سب انسان برابر ہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

۱۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ (۱)

''وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔''

اس آیت کریمہ میں واضح ہے کہ زمین اور اس کے اندر موجود خزانے بنیادی طور پر تمام انسانوں کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ سو اس حق کو اُصولاً کسی خاص طبقے تک محدود کر دینا اور دوسروں کو اس سے محروم رکھنا منشائے ایزدی کے خلاف ہے۔

۲۔ دوسرے مقام پر سورہ الاعراف میں فرمایا:

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ ط قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ o (۲)

''اور بیشک ہم نے تم کو زمین میں تمکّن وتصرّف عطا کیا اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسبابِ معیشت پیدا کئے، تم بہت ہی کم شکر بجا لاتے ہو o''

اس آیت کریمہ میں تمام انسانوں کے لئے زمین کے اندر پائے جانے والے اسباب معاش مذکور ہیں اور یہ کہ انہیں زمین پر قابض و متصرف ہونے کا حق دیا گیا ہے۔

---

(۱) البقرہ، ۲: ۲۹

(۲) الاعراف، ۷: ۱۰

۳۔ تیسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

فَاَنۡۢبَتۡنَا فِیۡهَا حَبًّا وَّ عِنَبًا وَّ قَضۡبًا وَّ زَیۡتُوۡنًا وَّ نَخۡلًا وَّ حَدَآئِقَ غُلۡبًا وَّ فَاکِهَةً وَّ اَبًّا مَّتَاعًا لَّکُمۡ وَ لِاَنۡعَامِکُمۡ ۝ (۱)

’’پھر ہم نے اس میں اناج اگایا۔ اور انگور اور ترکاری۔ اور زیتون اور کھجور۔ اور گھنے گھنے باغات۔ اور (طرح طرح کے) پھل میوے اور (جانوروں کا) چارہ۔ خود تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لئے متاعِ (زیست) ۝‘‘

مذکورہ بالا آیات میں عمومِ ملکیت یا عمومِ انتفاع کا ذکر اشارتاً کیا گیا ہے۔ اب قرآن مجید کا وہ ارشاد ملاحظہ فرمائیں جس میں بصراحت تخلیقِ ارضی کے اندر اصلاً سب کا حق برابر ہونا مذکور ہے۔

۴۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَ جَعَلَ فِیۡهَا رَوَاسِیَ مِنۡ فَوۡقِهَا وَ بٰرَکَ فِیۡهَا وَ قَدَّرَ فِیۡهَاۤ اَقۡوَاتَهَا فِیۡۤ اَرۡبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیۡنَ ۝ (۲)

’’اور اُس کے اندر (سے) بھاری پہاڑ (نکال کر) اس کے اوپر رکھ دیئے اور اس کے اندر (معدنیات، آبی ذخائر، قدرتی وسائل اور دیگر قوتوں کی) برکت رکھی، اور اس میں (جملہ مخلوق کے لئے) غذائیں (اور سامانِ معیشت) مقرر فرمائے (یہ سب کچھ اس نے) چار دنوں (یعنی چار ارتقائی زمانوں) میں مکمل کیا، (یہ سارا رِزق اصلاً) تمام طلب گاروں (اور حاجت مندوں) کے لئے برابر ہے ۝‘‘

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے

---

(۱) عبس، ۸۰: ۲۷۔۳۲

(۲) حم السجدہ، ۴۱: ۱۰

عہدِ رسالت مآب ﷺ میں اپنی زمین وقف کر دی تھی اس میں کھجور کے درخت تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ نبوی ﷺ میں عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے ایک زمین ملی ہے جو بڑی نفیس ہے میں وہ خیرات کرنا چاہتا ہوں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

تصدق بأصله لا يباع ولا يوهب ولا يورث ولكن ينفق ثمره فتصدق به عمر۔(۱)

’’اصل زمین کو صدقہ کر دو تاکہ نہ اسے فروخت کیا جا سکے نہ ہبہ کی جا سکے اور نہ ورثہ بن سکے۔ البتہ اس کا پھل راہ خدا میں وقف کر دیا جائے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے صدقہ کر دیا۔‘‘

(۴) زمین کی تحدید اور تقسیم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درج ذیل قول سے تقسیم و تحدید اراضی کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے:

لولا آخر المسلمين ما فتحت قرية إلّا قسمتها بين أهلها كما قسم النّبيّ ﷺ خيبر۔(۲)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الوصایا، باب قول الله تعالى وابتلوا اليتامى حتّى إذا بلغوا النكاح، ۳: ۱۰۱۷، رقم: ۲۶۱۳
۲۔ نسائي، السنن الكبرىٰ، ۴: ۹۴، رقم: ۶۴۲۸
۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۱: ۲۶۴، رقم: ۴۹۰۱

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المزارعة، باب أوقاف أصحاب النّبيّ وأرض الخراج، ۲: ۸۲۲، رقم: ۲۲۰۹
۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب ما جاء في حكم أرض خيبر، ۳: ۱۶۱، رقم: ۳۰۲۰
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۴۰، رقم: ۲۸۴
۴۔ بزار، المسند، ۱: ۳۹۹، رقم: ۲۷۶

''اگر مجھے آئندہ جو لوگ مسلمان ہوں گے ان کا خیال نہ ہوتا تو میں جس بستی کو فتح کرتا اسے فتح کرنے والوں میں تقسیم کر دیتا جیسے حضور نبی اکرم ﷺ نے خیبر کو تقسیم فرما دیا۔''

(۵) اقتصادی و معاشی حقوق کا تحفظ

جب کوئی شخص حلال طریقے سے مال جمع کرتا ہے اور اعتدال و میانہ روی کیساتھ خرچ کرتا ہے تو جو کچھ اس میں سے اسکے پاس بچ جاتا ہے حکومت اور اسکے قوانین اسکی حفاظت کرتے ہیں۔ معاشرے کیلئے ضروری ہے وہ اسکی ملکیت میں پائی جانے والی ہر چیز کو عزت سے دیکھے اور اس کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ اسکا مال اسکی مرضی کے بغیر حاصل کرے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے:

كلّ المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه۔(۱)

''مسلمان (کی سب چیزیں) دوسرے مسلمان پر حرام ہیں: اسکا خون، مال اور عزت و آبرو۔''

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ٥(۲)

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم ظلم المسلم، ۴: ۱۹۸۶، رقم: ۲۵۶۴

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الفتن، باب حرمة دم المؤمن، ۲: ۱۲۹۸، رقم: ۳۹۳۳

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۷۷، رقم: ۷۷۱۳

۴۔ بيهقى، السنن الكبرىٰ، ۶: ۹۲

(۲) النساء، ۴: ۲۹

’’اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ سوائے اسکے کہ تمہاری باہمی رضا مندی سے کوئی تجارت ہو ○‘‘

اسی وجہ سے شریعت میں چوری اور تمام قسم کی زیادتیوں کی سزاؤں کیلئے قوانین بنائے گئے ہیں۔ وہ شخص جسکے پاس اپنی ضروریات سے زائد مال بچ جائے اس پر واجب ہے کہ وہ اس میں اتنا مال کہ جس سے کسی دوسرے شخص کی مدد ہو سکے نکالے۔ اس عمل کو زکوٰۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ نقد اموال میں اڑھائی فی صد ہوتی ہے اور ان لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے دی جاتی ہے جو کام کرنے سے عاجز ہوں۔ اس کے علاوہ زکوٰۃ کے مال سے ایسے منصوبے پایہء تکمیل کو پہنچائے جائیں کہ جس سے معاشرتی عدل وانصاف ہو سکے اور لوگوں کا معیارِ زندگی بلند ہو۔

تصورِ زکوٰۃ کی بنیاد ان لوگوں کی مدد کرنا ہے جو کام کرنے پر قادر نہیں اور وہ لوگ جو کام پر تو قادر ہیں مگر کوئی کام انہیں ملتا نہیں اور وہ لوگ جنہیں کام مل تو جاتا ہے مگر اس کام کے عوض جو اُجرت انہیں ملتی ہے اس سے ضروریاتِ زندگی پوری نہیں ہوتیں۔ لہٰذا ایسے لوگوں کی مدد کرنا زکوٰۃ کی ادائیگی میں پیشِ نظر ہے۔

لوگوں کے پاس ضروریاتِ زندگی سے زائد جو مال ہے اس میں محروم المعیشت اور فقراء کا حق ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ○ (۱)

’’اور وہ (ایثار کیش) لوگ جن کے اَموال میں حصہ مقرر ہے۔ مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کا○‘‘

جہاں تک زکوٰۃ کا تعلق ہے تو اس کا ہر صاحبِ نصاب پر ادا کرنا ضروری ہے اور اگر ادا نہیں کرتا تو حکومت اس سے یہ زکوٰۃ جبراً لے سکتی ہے۔ بعض مذہبی سکالرز کی رائے

(۱) المعارج، ۷۰: ۲۴۔۲۵

ہے کہ اگر کوئی شخص زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تو اس کا معاقبہ اس طرح کیا جائے کہ حکومت اس سے زکوٰۃ کے علاوہ اس کے مال سے کچھ حصہ بطور سزا لے لے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے زکوٰۃ کے بارے میں فرمایا:

من أعطاها مؤتجرًا فله أجرها، ومن کتمها فإنّا آخذوها۔(۱)

''جس نے اجر کے لئے زکوٰۃ ادا کی اسے اجر عطا کیا جائے گا اور جس نے اسے چھپایا ہم اس سے لیں گے۔''

دنیا میں عزت و تکریم کے اعتبار سے تمام لوگ مساوی ہیں جس طرح کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ۔(۲)

''اور بیشک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔''

قرآنِ مجید نے آیت کریمہ میں مصارف زکوٰۃ بیان کئے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِیْلِ۔(۳)

''بیشک صدقات (زکوٰۃ) محض غریبوں اور محتاجوں اور ان کی وصولی پر مقرر کئے گئے کارکنوں اور ایسے لوگوں کیلئے ہیں جن کے دلوں میں اسلام کی اُلفت پیدا

(۱) ۱۔ عبد الرزاق، المصنف، ۴: ۱۸، رقم: ۶۸۲۴
۲۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۱۹: ۴۱۰، رقم: ۹۸۴
۳۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۴: ۱۰۵، رقم: ۷۱۲۰
(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۷۰
(۳) التوبة، ۹: ۶۰

کرنا مقصود ہو اور (مزید یہ کہ) انسانی گردنوں کو (غلامی کی زندگی سے) آزاد کرانے میں اور قرضداروں کے بوجھ اُتارنے میں اور اللہ کی راہ میں (جہاد کرنے والوں پر) اور مسافروں پر (زکوٰۃ کا خرچ کیا جانا حق ہے)۔‘‘

علماء نے فقیر اور مسکین کے بارے میں اختلاف کیا ہے کہ کیا یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں یا دونوں میں سے ایک کی حالت دوسرے سے ابتر ہے۔

فقیر وہ شخص ہوتا ہے جو کام کرسکتا ہے لیکن وہ اسے ملتا نہیں یا ملتا ہے لیکن اسے اس کام سے اتنا معاوضہ نہیں ملتا کہ جس سے وہ اپنے اہل وعیال کے اخراجات کو پورا کر سکے، جبکہ مسکین وہ شخص ہے جو کام کرنے سے عاجز ہوتا ہے جیسے نابینا، اپاہج وغیرہ۔

اور ’’فی سبیل اللہ‘‘ سے مراد ہر وہ منصوبہ (Project) ہے جس سے فقراء اور تمام لوگ فائدہ حاصل کرسکیں جیسے ہسپتال، سکول، پناہ گاہیں اور یتیم خانے وغیرہ۔

جب حکومت کو پتا چل جائے کہ زکوٰۃ کے مال سے فقیروں اور محتاجوں کی ضروریات پوری نہیں ہو رہیں تو حکومت کیلئے جائز ہے کہ لوگوں کے اموال میں سے اتنی مقدار لے کہ جس سے لوگوں کی ضروریات کو پورا کیا جا سکے اور ان غریبوں کا معیارِ زندگی بلند ہو سکے۔ اس سلسلے میں دلیل وہ حدیث ہے جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إنّ اللہ فرض علی أغنیاء المسلمین في أموالھم قدر الّذي یسع فقراءھم ولن یجھد الفقراء إلّا إذا جاعوا وعروا مما یصنع أغنیاؤھم ألا وإنّ اللہ محاسبھم یوم القیامۃ حسابًا شدیدًا ومعذّبھم عذابًا نکرًا۔(۱)

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۴: ۴۹، رقم: ۳۵۷۹

۲۔ منذري، الترغیب و الترھیب، ۱: ۳۰۶، رقم: ۱۱۳۰

۳۔ ہیثمي، مجمع الزوائد، ۳: ۶۲

''اللہ تعالیٰ نے مسلمان امیر لوگوں پر فرض کیا ہے کہ وہ اپنے اموال سے اتنی مقدار غریبوں کو دیں کہ جس سے انکے رزق میں وسعت آ جائے اور جب غریب بھوکے ننگے ہوں تو وہ ہرگز نہ مانگیں سوائے اسکے جو امیر لوگوں نے انکے لئے بنایا ہو۔ خبردار! بے شک اللہ قیامت کے دن ان کا سخت احتساب کرے گا اور انہیں دردناک عذاب دے گا (اگر وہ ایسا نہیں کرتے)۔''

اسی موضوع کے تحت ابن حزم نے جو کچھ اپنی کتاب ''المحلی'' میں لکھا ہے وہ قابل ملاحظہ ہے:

''تمام امیر لوگوں پر لازم ہے کہ غریبوں کی ضروریات زندگی کو پورا کریں اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو حاکم انہیں مجبور کرے کہ وہ غریبوں کی مدد کریں۔ اگر انہیں زکوٰۃ نہ دی جائے تو اتنا ضرور انہیں دیا جائے کہ جس سے انکی روٹی، کپڑا اور مکان کی ضروریات پوری ہو سکیں۔''(۱)

اس پر قرآن مجید سے دلیل کچھ یوں ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ۔(۲)

''اور قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو)۔''

اسی طرح دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ۔(۳)

''اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں

(۱) ابن حزم، المحلی، ۶: ۱۵۴، ۱۵۵
(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶
(۳) النساء، ۴: ۳۶

(سے) اور نزدیکی ہمسائے اور اجنبی پڑوسی اور ہم مجلس اور مسافر (سے) اور جن کے تم مالک ہو چکے ہو، (ان سے نیکی کیا کرو)۔‘‘

ان آیاتِ کریمہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ نے مساکین اور مسافروں کا حق قرابت داروں کے ساتھ فرض قرار دیا ہے۔ مساکین وفقراء اور غرباء کا حق ادا نہ کرنے والوں کے بارے میں ہے کہ ان سے پوچھا جائے گا:

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ○ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ○ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ○(۱)

’’(اور کہیں گے:) تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی ○ وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں نہ تھے ○ اور ہم محتاجوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے ○‘‘

اس آیت کریمہ میں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مساکین کو کھانا کھلانے کو نماز کے واجب ہونے کے ساتھ بیان کیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من لا یرحم لا یرحم۔(۲)

(۱) المدثر، ۷۴: ۴۲۔۴۴

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب رحمة الولد، ۵: ۲۲۳۵، رقم: ۵۶۵۱

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب رحمة الصبیان، ۴: ۱۸۰۸، رقم: ۲۳۱۸

۳۔ ترمذی، السنن، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی رحمة الولد، ۴: ۳۱۸، رقم: ۱۹۱۱

۴۔ أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب فی قبلة الرجل ولده، ۴: ۳۵۵، رقم: ۵۲۱۸

۵۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۲۸، رقم: ۷۱۲۱

www.MinhajBooks.com

’’جو شخص (دوسروں پر) رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔‘‘

اس حدیث پاک سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس کے پاس زائد مال ہو اور اپنے مسلمان بھائی کو بھوکا ننگا دیکھنے کے باوجود اس کی مدد نہ کرے تو بلاشبہ اس نے اس پر رحم نہیں کیا، لہٰذا وہ خدا کی رحمت کا مستحق نہیں۔

حضرت عبد الرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اصحاب صفہ فقیر لوگ تھے اور حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من كان عنده طعام اثنين فليذهب بثالث، إن أربع فخامس أو سادس۔[1]

’’جس کے پاس دو افراد کا کھانا ہے وہ (اصحابِ صفہ میں سے) تیسرے شخص کو ساتھ لے جائے اور اگر چار (اشخاص کا کھانا ہے) تو پانچویں یا چھٹے شخص کو کھلائے۔‘‘

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضي الله عنهما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه۔[2]

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب السمر مع الضیف والأھل، ۱: ۲۱۷، رقم: ۵۷۷

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۹۸، رقم: ۱۷۰۹

۳۔ أبو عوانه، المسند، ۵: ۲۰۴، رقم: ۸۳۹۸

۴۔ بیہقی، الإعتقاد، ۱: ۳۱۲

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإكراه، باب یمین الرجل، ۶: ۲۵۵۰، رقم: ۶۵۵۱

''ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ ہی اسے ظالم کے حوالے کرتا ہے۔''

جس شخص نے اپنے بھائی کو بھوکا ننگا چھوڑا حالانکہ وہ اسے کھلا اور پہنا سکتا تھا تو گویا اس نے اسے ظالم سماج کے حوالے کر دیا۔

(۵) ناجائز ذرائع معیشت کا اِحتساب

اسلام نے طاقت کے ناجائز استعمال اور مال کے ناجائز حصول سے منع کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رشوت لینے اور دینے والے دونوں پر لعنت بھیجی ہے اور حکامِ وقت اور امراء کو ہدیہ (gift) دینا حرام قرار دیا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے عمال کے زائد مال و دولت کو تقسیم کر دیتے تھے اور ان سے کہتے تھے کہ یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا ہے؟ تم نہ صرف آگ جمع کر رہے ہو بلکہ اپنے بعد میں آنے والے لوگوں کو بھی منتقل کر رہے ہو۔ کسی والی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اُمت کے مال سے کچھ لے مگر اتنا لے سکتا ہے جو اس کے لیے کافی ہو۔ اسی طرح جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حاکم مقرر ہوئے تو انھوں نے مسلمانوں سے کہا:

''میں اپنے اہل و عیال کے لیے کما کر ان کو کھلاتا تھا۔ اب جب کہ میں تمہاری خدمت پر مامور ہو گیا ہوں تو تم میرے لئے اپنے بیت المال سے

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب المظالم، باب لا یظلم المسلم، ۲: ۸۶۲، رقم: ۲۳۱۰

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم، ۴: ۱۹۹۶، رقم: ۲۵۸۰

۴۔ ترمذی، السنن، کتاب الحدود، باب ما جاء فی الستر علی المسلم، ۴: ۳۴، رقم: ۱۴۲۶

حصہ مقرر کرو۔‘‘[۱]

پس حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ایک عام اوسط مسلم گھرانے کی مقدار ان کیلئے خرچہ مقرر کیا جس میں گرمی سردی کا کپڑا اور سواری بھی شامل تھی۔ یہ ایک ہزار درہم کے برابر تھا بعد میں ۵۰۰ مزید بڑھا دیئے گئے۔[۲]

(۷) احتکار واکتناز کی ممانعت

قرآن وسنت سے ماخوذ تصور ملکیت کے تحت اگر مملوکہ مال کے تمام حقوق جو دوسروں کو منافع میں شریک کرنے سے متعلق ہیں۔ پورے طور پر ادا نہ کئے جائیں تو نہ صرف ملکیت ہی ناجائز ہوجاتی ہے بلکہ بجائے خود وہ عذاب آخرت کا باعث بن جاتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○[۳]

’’اور جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں○‘‘

ایک حدیث مبارکہ میں بھی ضرورت سے زائد مال کو مستحقین پر خرچ کرنے کا حکم ہے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يا ابن آدم، إنك أن تبذل الفضل خير لك وإن تمسكه شرّ

(۱) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۳: ۱۸۴
۲۔ سیوطی، تاریخ الخلفاء، ۱: ۷۲
(۲) ابن سعد، الطبقات الکبری، ۳: ۱۸۴
(۳) التوبۃ، ۹: ۳۴

لک ولا تلام علی کفاف وابدأ بمن تعول۔[(۱)]

’’اے ابن آدم! ضرورت سے زائد مال خرچ کردینا تیرے لیے زیادہ اچھا ہے۔ اور اگر تو اس مال کو خرچ کرنے سے روک لے گا تو یہ تیرے لیے باعث شر ہوگا۔ البتہ بقدر ضرورت بچا کر رکھنا تمہارے لیے باعث عار نہیں ہوگا اور انفاق کا آغاز اپنے قرابت داروں سے کر۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے اس باب میں جو تصور اپنے عمل مبارک سے واضح فرمایا ہے ملاحظہ ہو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لو کان لي مثل أحد ذهباً لسرّني أن لا تمر علي ثلاث ليال وعندی منه شیء إلّا شيئا أرصده لدين۔[(۲)]

’’اگر میرے پاس اُحد پہاڑ جتنا سونا بھی ہوتا تو (ایسی صورت میں بھی) میرے لیے یہی باعث راحت ہوتی کہ میں تین راتیں گزرنے تک اسے راہ خدا میں خرچ کردوں اور اس مال میں سے اسی قدر بچا کر رکھتا جو قرض کی ادائیگی کے لیے ضروری ہوتا۔‘‘

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب بیان أن الید العلیا خیر من الید السفلی، ۲: ۷۱۸، رقم: ۱۰۳۶
۲۔ ترمذی، السنن، کتاب الزهد عن رسول الله ﷺ، باب منه، ۴: ۵۷۳، رقم: ۲۳۴۳
۳۔ أبو نعیم، المسند المستخرج علی صحیح إمام مسلم، ۳: ۱۰۶
۴۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۲۵۷

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب قول النبی: ما أحب أن لی مثل أحد ذهبا، ۵: ۲۳۶۸، رقم: ۶۰۸۰
۲۔ بیهقي، السنن الکبریٰ، ۴: ۸۲، رقم: ۷۰۲۱

مراد یہ کہ اُحد پہاڑ جتنا سونا بھی ہوتا تو سوائے قرض کی ادائیگی جیسی ضرورت کے باقی تین دن کے اندر اندر تقسیم کر دینا ہی میرے لیے باعثِ مسرت امر ہوتا۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ دولت خواہ جائز ذرائع سے ہی کمائی گئی ہو لیکن اگر اسے جمع کر کے رکھ دیا جاتا ہے اور وہ افرادِ معاشرہ کے درمیان گردش نہیں کرتی تو اس ذخیرہ اندوزی (hoarding) پر دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے:

۱۔ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ لا فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ○ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ط هٰذَا مَاكَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَاكُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ○[۱]

’’اور جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں○ جس دن اس (سونے، چاندی اور مال) پر دوزخ کی آگ میں تاپ دی جائے گی پھر اس (تپے ہوئے مال) سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی، (اور ان سے کہا جائے گا) کہ یہ وہی (مال) ہے جو تم نے اپنی جانوں (کے مفاد) کے لئے جمع کیا تھا سو تم (اس مال کا) مزہ چکھو جسے تم جمع کرتے رہے تھے○‘‘

۲۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللهَ بِهٖ عَلِيْمٌ○[۲]

’’تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب

(۱) التوبۃ، ۹: ۳۴، ۳۵

(۲) آل عمران، ۳: ۹۲

چیزوں میں سے خرچ نہ کرو، اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہےo‘‘

احتکار و اکتناز کی نفی اور انفاق فی سبیل اللہ کے حکم کی اہمیت احادیث مبارکہ میں بھی متعدد مقامات پر بیان کی گئی ہے۔

۱۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

من کان عندہ فضل زاد فیعد بہ علی من لا زاد لہ۔ (۱)

’’جس کے پاس زیادہ سامان (زیست) ہو تو وہ اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس کوئی زادِراہ نہیں ہے۔‘‘

۲۔ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سال لوگ مالی تنگی اور عسرت کی حالت میں تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے قربانی کے موقع پر فرمایا تم میں سے کوئی شخص تیسری رات کے بعد اس حالت میں نہ اٹھے کہ اس کے گھر گوشت کی ایک بوٹی بھی ہو۔ (چنانچہ اس طرح عمل کیا گیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے گوشت ذخیرہ کرنے کی بجائے بانٹ دیا) اگلے سال بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حکم کی تعمیل میں سارا گوشت تقسیم کر دیا اور آئندہ ضرورت کے لئے بچا کر نہ رکھا اور انہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:

یا رسول اللہ، نفعل کما فعلنا العام الماضی قال کلوا وأطعموا وادخروا فإنّ ذالک العام کان بالنّاس جھد فأردت أن تعینوا۔ (۲)

(۱) أبو داود، السنن، کتاب الزکوۃ، باب فی حقوق المال، ۱: ۵۲۲، رقم: ۱۶۶۳

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاضاحی، باب یوکل من لحوم الرضاحی، ۵: ۲۱۱۵، رقم: ۵۲۴۹

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الاضاحی، باب بیان ما کان من النھی، ۳: ۱۵۶۳، رقم: ۱۹۷۴

’’صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم اس مرتبہ بھی سابقہ سال کی طرح کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس سال کھاؤ بھی اور (حسب ضرورت) بچا کر بھی رکھ لو پچھلے سال لوگ پریشان تھے پس میں نے چاہا کہ تم ایک دوسرے کی مدد کرو۔‘‘

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے معمول کے بارے میں امام بخاریؒ بیان کرتے ہیں:

کان ابن عمر رضی اللہ عنہ لا یأکل حتّی یؤتی بمسکین یأکل معه۔(۱)

’’حضرت ابن عمر کے ساتھ جب تک کوئی حاجت مند مل کر کھانا نہ کھاتا آپ کھانا تناول نہ فرماتے تھے۔‘‘

۴۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کنّا نعدّ الماعون علی عهد رسول الله ﷺ عارية الدلو والقدر۔(۲)

’’ہم عہد رسالت مآب ﷺ میں ڈول اور ہنڈیا تک عاریۃً ضرورت مندوں کو دینا ماعون تصور کرتے تھے۔‘‘

۵۔ قحط کے زمانے میں لوگوں کی مشکلات رفع کرنے کے اہتمام کے حوالے سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأطعمة، باب المؤمن یأکل فی معی واحد فیه، ۵: ۲۰۶۱، رقم: ۵۰۷۸

۲۔ أبو عوانه، المسند، ۳: ۱۰، رقم: ۸۴۱۷

۳۔ أبو عوانه، المسند، ۵: ۲۰۹، رقم: ۸۴۱۷

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الزکوۃ، باب فی حقوق المال، ۱: ۵۲۰، رقم: ۱۶۵۷

۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۷: ۱۴۳

۳۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۴: ۱۸۳، رقم: ۷۵۷۸

”خدا کی قسم! اگر قحط رفع نہ ہوتا تو میں کوئی بھی ایسا گھر نہ چھوڑتا جس میں کھانا موجود ہوتا مگر اس کے افراد کے برابر دیگر مستحقین اور محتاجین کو اس میں کلیتًا داخل نہ کر دیتا کیونکہ ایک شخص کا کھانا یقیناً دو افراد کو ہلاک ہونے سے بچا لیتا۔“(۱)

۶۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اسی نوعیت کی ایک روایت امام ابن حزمؒ نے بیان کی ہے:

لو استقبلت من أمری ما استدبرت لأخذت فضول أموال الأغنياء فقسمتها علی فقراء المهاجرين۔(۲)

”بے شک مجھ کو اس امر کا خیال پہلے آ جاتا تو میں مالداروں کی زائد دولت لیکر فقراءِ مہاجرین میں تقسیم کر دیتا۔“

۷۔ حضرت بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ کو ایک قطع اراضی عطا فرمایا تھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو آپ نے انہیں کہا اے بلال! حضور نبی اکرم ﷺ نے تمہیں یہ قطع اراضی عطا فرمایا تھا کیونکہ جو بھی آپ کی بارگاہ میں سوال لیکر آتا آپ ﷺ اسے خالی نہ لوٹاتے تھے مگر تمہیں یہ علاقہ اس لئے نہیں عطا کیا گیا تھا کہ تم اسے لوگوں سے روک کر بیٹھ جاؤ۔ بلکہ اس لئے عطا کیا تھا کہ تم اسے آباد کرو۔ لہٰذا جس قدر زمین کو تم آباد کر سکتے ہو رکھ لو اور باقی لوٹا دو۔ اس طرح آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے زائد زمین واپس لے کر مسلمانوں میں تقسیم کر دی۔(۳)

اسی نوعیت کی روایات امام ابو یوسف کی کتاب الخراج صفحہ: ۲۵۶، ۲۵۷ اور امام ابوعبید قاسم بن سعد کی کتاب الاموال حدیث نمبر ۷۱۲ کے تحت بیان کی گئی ہیں۔

---

(۱) بخاری، الأدب المفرد: ۱۹۸، رقم: ۵۶۲
(۲) ابن حزم، المحلی، ۶: ۱۵۸
(۳) یحی بن آدم، کتاب الخراج، روایت: ۲۹۴

(۸) حرام ذرائع معیشت کا انسداد

سیرت الرسول ﷺ کی روشنی میں یہ امر واضح ہے کہ دولت کمانے کے باب میں کسی سطح پر بھی فاسد معاشیات کو بروئے کار لانا جائز نہیں۔ دوسرے شعبوں کی طرح معاملات کے اس شعبہ میں بھی عدل و انصاف کو اساس و بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ اکتسابِ معیشت کے باب میں صرف حلال ذرائع کی اجازت دی گئی ہے اور حرام ذرائع معاش سوسائٹی میں کلیتہً ممنوع قرار دیئے گئے ہیں تاکہ استحصال کا دروازہ ہی نہ کھلنے پائے۔ چنانچہ حسب ذیل تصریحات اس کی شاہد ہیں:

۱۔ اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔(۱)

”اللہ نے تجارت (سوداگری) کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔“

۲۔ یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَ یُرْبِی الصَّدَقَاتِ ط وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیْمٍo(۲)

”اور اللہ سود کو مٹاتا ہے (یعنی سودی مال سے برکت کو ختم کرتا ہے) اور صدقات کو بڑھاتا ہے (یعنی صدقہ کے ذریعے مال کی برکت کو زیادہ کرتا ہے)، اور اللہ کسی بھی ناسپاس نافرمان کو پسند نہیں کرتاo“

۳۔ وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا کَالُوْھُمْ اَوْ وَّزَنُوْھُمْ یُخْسِرُوْنَo(۳)

”بربادی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کیلئے۔ یہ لوگ جب (دوسرے

(۱) البقرہ، ۲:۲۷۵

(۲) البقرہ، ۲:۲۷۶

(۳) المطففین، ۸۳: ۱۔۳

لوگوں سے ناپ لیتے ہیں تو (ان سے) پورا لیتے ہیں۔ اور جب انہیں (خود) ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں ○"

۴۔ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ۔ (۱)

"اور (جب تولنے لگو تو) سیدھے ترازو سے تولا کرو۔"

۵۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ۔ (۲)

"اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہاری باہمی رضا مندی سے کوئی تجارت ہو۔"

(۹) اَسراف کی ممانعت

حضور نبی اکرم ﷺ نے جہاں صرف اور خرچ میں اقتصاد کا حکم دیا وہاں اسراف سے بھی منع فرمایا۔ کیونکہ اسراف، تبذیر اور تعیش کو اسلام نے ناپسند قرار دیا ہے۔ ان سے معاشرتی طبقات میں ناہمواری جنم لیتی ہے اور اس سے ان لوگوں کے دلوں میں حسد پیدا ہوتا ہے جن کے پاس مال کی فراوانی نہیں ہے۔ مزید برآں اس تفاوت سے اخلاقی قدریں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں اور معاشرے میں فساد و انتشار عام ہو جاتا ہے۔ تعیش پسند طبقہ ہر قوم میں اخلاقی قدروں کو پامال کرنے کا باعث رہا ہے۔ قرآن مجید ایسے طبقے کے بارے میں مختلف جگہوں پر بیان کرتا ہے کہ یہ طبقہ ہر اصلاح کرنے والے شخص کا دشمن ہوتا ہے اور ہر نبی اور داعی کے ساتھ جنگ کرتا رہا ہے اور اس کا مقصد اپنے اموال کی حفاظت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) بنی اسرئیل، ۱۷: ۳۵

(۲) النساء، ۴: ۲۹

وَمَا اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ○[(۱)]

’’اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈر سنانے والا نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہاں کے خوشحال لوگوں نے (ہمیشہ یہی) کہا کہ تم جو (ہدایت) دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کے مُنکِر ہیں۔ اور انہوں نے کہا کہ ہم مال و اولاد میں بہت زیادہ ہیں اور ہم پر عذاب نہیں کیا جائے گا○‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

كلوا واشربوا وتصدقوا والبسوا ما لم يخالطه اسراف أو مخيلة۔[(۲)]

’’کھاؤ اور پیو اور دوسروں پر صدقہ کرو، کپڑے بنا کر پہنو بشرطیکہ اسراف اور نیت میں فخر و استکبار نہ ہو۔‘‘

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اسراف اور تعیش دونوں چیزیں مال کی کثرت اور اس کا چند ہاتھوں میں جمع ہونے سے جنم لیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے دولت کے چند محدود ہاتھوں میں جمع ہونے کو ناپسند قرار دیا ہے اور اسی وجہ سے غنائم کو محتاجوں پر تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ۔[(۳)]

’’(یہ نظامِ تقسیم اس لئے ہے) تاکہ (سارا مال صرف) تمہارے مال داروں

(۱) السبا، ۳۴: ۳۴، ۳۵

(۲) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب اللباس، باب البس ما شئت ما أخطأك سرف أو مخيلة، ۲: ۱۱۹۲، رقم: ۳۶۰۵

۲۔ ابن أبي شيبه، المصنف، ۵: ۱۷۱، رقم: ۲۴۸۷۷

۳۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۳: ۱۰۲، رقم: ۳۲۵۱

(۳) الحشر، ۵۹: ۷

کے درمیان ہی نہ گردش کرتا رہے (بلکہ معاشرے کے تمام طبقات میں گردش کرے)۔‘‘

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین عراق، مصر اور شام کی اراضی کو فاتحین کے مابین تقسیم کرنے پر اختلاف پیدا ہو گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان علاقوں کی زمین کو تقسیم کیا جائے۔ اس رائے کی بعض صحابہ نے مخالفت کی۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا:

واللہ إذن لیکونن ما نکرہ، إنّک إن قسمتھا صار الربح العظیم في أیدی القوم، ثم یتبدرون، فیصیر ذلک إلی الرّجل الواحد أو المرأۃ، ثم یأتي من بعدھم قوم یسدّون من الإسلام مسدّا وھم لا یجدون شیئًا فانظر أمرًا یسع أوّلھم وآخرھم۔(۱)

’’بخدا! اگر ایسا کیا گیا تو ناخوشگوار نتائج پیدا ہونگے۔ زمینوں کی تقسیم سے بے تحاشا دولت لوگوں کے ہاتھ لگ جائیگی۔ پھر انکے مرنے پر ممکن ہے کہ ایک مرد یا عورت کو مل جائے اور جو لوگ انکے بعد اسلام کی مدافعت میں حصہ لیں، انہیں کچھ بھی نہ مل سکے گا۔ لہٰذا کسی ایسی رائے کو اپنایئے جو ان کے موجود اور بعد میں آنیوالے مسلمانوں کے لئے خوشحالی کا باعث ہو۔‘‘

لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق کر لیا۔ یہ انکار حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہے کہ مال چند خاص ہاتھوں میں محصور نہ ہو جبکہ اکثریت

---

(۱) ۱۔ أبوعبید، کتاب الاموال: ٦١، رقم: ۱۵۲
۲۔ عسقلانی، فتح الباری، ٦: ۲۲۴، رقم: ۲۹۵۷
۳۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۸: ۱۶۲
۴۔ شمس الحق عظیم آبادی، عون المعبود، ۸: ۱۹۵

اس سے محروم رہ جائے اور یہ انکار اس وجہ سے تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ۔(۱)

’’(یہ نظامِ تقسیم اس لئے ہے) تاکہ (سارا مال صرف) تمہارے مال داروں کے درمیان ہی نہ گردش کرتا رہے (بلکہ معاشرے کے تمام طبقات میں گردش کرے)۔‘‘

۳۔ سیرۃُ الرسول ﷺ اور معیشت و معاشرت کا تعلق

(ا) معاشی تعطل ایک معاشرتی المیہ

معاشی تعطل اور غربت معاشرتی امراض میں سے ایک مرض ہے اور اس کے بارے میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کاد الفقر أن یکون کفرًا۔(۲)

’’قریب ہے کہ فقر و فاقہ انسان کو کفر تک لے جائے۔‘‘

اسی لئے حضور نبی اکرم ﷺ فقر، بھوک، بے بسی، سستی اور قرض سے اپنی دعاؤں میں پناہ مانگتے تھے۔ علاوہ ازیں گونگے پن، بہرے پن اور بیماری سے پناہ مانگتے تھے۔ آپ ﷺ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرتے تھے:

اللّٰھم إنّي أعوذبک من الکفر و الفقر۔(۳)

(۱) الحشر، ۵۹: ۷

(۲) ۱۔ بیھقی، شعب الإیمان، ۵: ۲۶۷، رقم: ۶۶۱۲

۲۔ أبونعیم، حلیة الأولیاء، ۳: ۵۳

(۳) ۱۔ نسائي، السنن، کتاب السھو، باب التعوذ في دبر الصلاۃ، ۳: ۷۳، رقم: ۱۳۴۷

''اے اللہ! میں کفر اور فقر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔''

اسی طرح کئی اور دلائل ہیں جن میں اسلام نے غربت و افلاس اور بھوک کے بارے میں بیان کیا ہے کہ اس میں کوئی عزت و تکریم نہیں اور یہ فقر و افلاس انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

یہ بات واضح ہوگئی کہ فقر و افلاس ایک معاشرتی و اجتماعی مرض ہے اور ایسی بلاء ہے کہ جس سے دوسرے جسمانی امراض کی طرح پناہ مانگی جاتی ہے۔ ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ رزق کے حصول کے لئے خود محنت و کوشش کرے۔ ایسے عمل کو اسلام عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِهَا وَ کُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ۔ (۱)

''سوتم اس کے راستوں میں چلو پھرو، اور اُس کے (دیئے ہوئے) رِزق میں سے کھاؤ۔''

حدیث مبارکہ میں ہے:

عن أبي بردة سئل رسول الله ﷺ أيّ الکسب أفضل؟ قال: عمل الرّجل بیده۔ (۲)

.... ۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب ما یقول إذا أصبح، ۴: ۳۲۴، رقم: ۵۰۹۰

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۳: ۳۰۲، رقم: ۱۰۲۶

۴۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۱: ۳۸۳، رقم: ۹۲۷

(۱) الملک، ۶۷: ۱۵

(۲) ۱۔ حاکم، المستدرک، ۲: ۱۲، رقم: ۲۱۵۸

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۴۱، رقم: ۱۷۳۰۴

۳۔ بزار، المسند، ۹: ۱۸۳، رقم: ۳۷۳۱

۴۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۲: ۳۳۲، رقم: ۲۱۴۰

۵۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۴: ۲۷۶، رقم: ۴۴۱۱

’’حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ سب سے اچھا کسب کون سا ہے؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بہترین کسب وہ ہے جو انسان خود اپنے ہاتھوں سے کرتا ہے۔‘‘

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

إنّ اللہ یحب أن یری العبد محترفًا۔ (۱)

’’بے شک اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ وہ اپنے بندے کو پیشہ ور دیکھے۔‘‘

ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس سے ایک شخص گزرا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس شخص کی محنت و کاوش کو دیکھا (جو انہیں بہت اچھا لگا)۔ اس پر انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر وہ اللہ کے راستے میں نکلتا تو اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إن کان خرج یسعی علی ولدہ صغارًا، فھو في سبیل اللہ، وإن کان خرج یسعی علی أبوین شیخین کبیرین فھو في سبیل اللہ، وإن کان خرج یسعی علی نفسہ یعفھا، فھو في سبیل اللہ۔ (۲)

’’اگر وہ اپنے بچوں کے واسطے جدوجہد کرنے کے لئے نکلا ہوا ہے تو وہ اللہ کے راستے میں نکلا ہوا ہے اور اگر وہ اپنے بوڑھے والدین کے واسطے جد و جہد

(۱) ۱۔ حکیم ترمذي، نوادر الأصول في أحادیث الرسول، ۱: ۴۰۵
۲۔ سیوطی، الدرا لمنثور، ۸: ۲۳۸

(۲) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۹: ۱۲۹، رقم: ۲۸۲
۲۔ بیھقی، السنن الکبریٰ، ۷: ۴۷۹
۳۔ بیھقی، شعب الإیمان، ۶: ۱۸۵، رقم: ۴۸۵۳
۴۔ منذری، الترغیب والترھیب، ۲: ۳۳۵، رقم: ۲۶۱۰
۵۔ ھیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۳۲۵

کرنے کے لئے نکلا ہے تو اللہ کے راستے میں ہے اور اگر وہ اپنے نفس کے واسطے جد و جہد کرنے کے لئے نکلا ہے کہ وہ اس کو روکے تو بھی وہ اللہ کے راستے میں ہے۔‘‘

مزدور کی محنت کے عوض اس کی پوری اُجرت دینا واجب ہے اور اگر مزدوری اس کی محنت سے کم ہو تو ظلم ہے اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ۔ (۱)

’’لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کے بارے میں وعید سنائی ہے جو ایک مزدور کو اس کا حق دینے سے چشم پوشی کرتا ہے اور اسے اس کی اُجرت نہیں دیتا۔ حدیثِ قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ثلاثة أنا خصمهم يوم القيامة رجل أعطى بي ثمّ غدر ورجل باع حرًّا فأكل ثمنه، ورجل استأجر أجيرًا فاستوفى منه ولم يعط أجره۔ (۲)

(۱) الاعراف، ۷: ۸۵

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب البیوع، باب إثم من باع حراء، ۲: ۷۷۶، رقم: ۲۱۱۴

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإجارة، باب إثم من منع أجر الأجير، ۲: ۷۹۲، رقم: ۲۱۵۰

۳۔ ابن ماجه، السنن ، کتاب الأحکام، باب أجر الأجرا، ۲: ۸۱۶، رقم: ۲۴۴۲

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۵۸، رقم: ۸۶۷۷

’’تین ایسے لوگ ہیں جن کا قیامت کے روز میں دشمن ہوں گا: ایک وہ شخص جس نے میرا نام لے کر عہد کیا پھر اسے پورا نہ کیا، دوسرا وہ شخص جس نے آزاد شخص کو غلام بنا کر بیچا اور اس کی قیمت کھائی اور تیسرا وہ جس نے مزدور سے پورا کام کروا کر اس کی پوری اُجرت ادا نہیں کی۔‘‘

(۲) معاشی ذمہ داریوں اور معاشرتی مرتبہ کا تعلق

تعلیمات نبوی ﷺ میں ہر شہری کو معاشرتی ضمانت، راحت وسکون اور معیشت کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے۔ یہ اس وقت تک ہے جب تک وہ اپنے فرائض کو بجا لا رہا ہے یا کسی مجبوری کی وجہ سے اپنے فرائض کی ادائیگی سے عاجز ہو جائے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الخلق عيال الله۔(۱)

’’تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔‘‘

رزق کی فراہمی کی یہ ذمہ داری جو رب العالمین نے اپنے ذمہ لی، اسلامی ریاست کے اندر نیابتِ الٰہی میں اسلامی حکومت کی طرف سے انجام دی جائے گی۔

قرآن وحدیث کی انہی تعلیمات کا اثر تھا کہ خلفائے راشدین نے اپنے دورِ خلافت میں اس ذمہ داری کا کمال احساس رکھا اور اسے پورا کرنے کے لئے مصروفِ کار رہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لو مات جمل ضياعاً على شط الفرات لخشيت أن يسألني

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۵: ۳۶۵، رقم: ۵۵۴۱
۲۔ أبو يعلى، المسند، ۶: ۶۵، رقم: ۳۳۱۵
۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۱۹۱

الله عنه۔(۱)

’’اگر ساحلِ فرات پر کوئی بے سہارا اونٹ مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ مجھ سے اس کے بارے میں باز پرس کرے گا۔‘‘

ألا كلكم راع و كلكم مسئول عن رعيته فالإمام الذي على الناس راع وهو مسئول عن رعيته۔(۲)

’’آگاہ رہو تم میں سے ہر ایک آدمی نگران ہے اور (روزِ قیامت) اس سے اس کی رعیت (ماتحت لوگوں) کے بارے میں باز پرس کی جائے گی تو (اس طرح) لوگوں پر امیر یا حکمران بھی ایک نگران ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔‘‘

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک یہودی کے پاس سے گزرے جو کہ لوگوں سے بھیک مانگ رہا تھا۔ انہوں نے اسے ڈانٹا اور اس پوچھا کہ کس چیز نے اسے بھیک مانگنے پر مجبور کیا ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ مجبوری کی وجہ سے بھیک مانگ رہا ہے تو اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو برا بھلا کہا اور فرمایا:

ما أنصفناک، أن كنّا أخذنا منک الجزية في شبيبتک ثم ضعيناک في كبرک قال: ثم أجرى عليه من بيت المال ما يصلحه۔(۳)

---

(۱) ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۳: ۳۰۵

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأحكام، باب قول الله تعالى أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم، ۶: ۲۶۱۱، رقم: ۶۷۱۹

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإمارة، باب فضيلة الإمام العادل وعقوبة الجائر والحث على الرفق بالرعية، ۳: ۱۴۵۹، رقم: ۱۸۲۹

(۳) أبو عبيد، الأموال: ۵۷

”اے شخص! ہم نے تیرے ساتھ انصاف نہیں کیا، ہم نے تجھ سے بہت بھاری جزیہ لیا اور تجھے کمزور و ناتواں چھوڑا۔ پس اسے بیت المال سے اتنا کچھ دے دو جو اس کے لیے کافی ہو۔“

(۳) معاشرتی اصلاح میں معاشی عنصر کی اہمیت

اسلام کی تعلیمات میں سے ہے کہ کسب خبیث کے تمام ذرائع کو حرام قرار دیا جائے اور خبیث ذرائع کو متعین کیا جائے کہ ہر وہ چیز جو بغیر کسی مدمقابل عمل اور محنت کے حاصل کی جائے کسبِ خبیث میں شمار ہوگی جیسے چوری اور دھوکے سے حاصل کی گئی چیز، یا ہر وہ چیز جو ایسے کسب کے عوض حاصل کی جائے جس کا نقصان اور ضرر ہو وہ بھی کسبِ خبیث میں شمار ہوگی۔ جیسے شراب، خنزیر اور نشہ آور اشیاء سے کمائی ہوئی رقم۔ یہ تمام ذرائع کسب ایسے ہیں جن کی اسلام نے اجازت نہیں دی اور نہ ہی ان کی حلت کو تسلیم کیا ہے۔

۴۔ سیرۃُ الرسول ﷺ اور معیشت و اَخلاق کا تعلق

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِo فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَo وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِo فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَo الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَo الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَo وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَo (۱)

”کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو دین کو جھٹلاتا ہے؟ تو یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے (یعنی یتیموں کی حاجات کو رد کرتا اور انہیں حق سے محروم رکھتا ہے)o اور محتاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا (یعنی معاشرے سے غریبوں اور محتاجوں کے معاشی اِستحصال کے خاتمے کی کوشش نہیں کرتا)o پس

(۱) الماعون: ۱۰۷

افسوس (اور خرابی) ہے ان نمازیوں کے لئےo جو اپنی نماز (کی روح) سے بے خبر ہیں (یعنی انہیں محض حقوق اللہ یاد ہیں حقوق العباد بھلا بیٹھے ہیں)o وہ لوگ (عبادت میں) دکھلاوا کرتے ہیں (کیونکہ وہ خالق کی رسمی بندگی بجا لاتے ہیں اور پسی ہوئی مخلوق سے بے پرواہی برت رہے ہیں)o اور وہ برتنے کی معمولی سی چیز بھی مانگے نہیں دیتےo‘‘

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے باہمی ذمہ داریوں کی وضاحت ایک مثال سے یوں بیان فرمائی:

مثل القائم علی حدود اللہ والواقع فیھا کمثل قوم استھموا علی سفینۃ فأصاب بعضھم أعلاھا وبعضھم أسفلھا فکان الّذین في أسفلھا إذا استقوا من الماء مرّوا علی من فوقھم فقالوا: لو أنّا خرقنا في نصیبنا خرقا ولم نؤذ من فوقنا فإن یترکوھم وما أرادوا ھلکوا جمیعا وإن أخذ وعلی أیدیھم نجوا ونجوا جمیعا۔(۱)

’’اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم کرنے والے اور اس کو توڑنے والوں کی مثال اس قوم کی سی ہے جس کشتی کے سواروں نے اپنا حصہ تقسیم کرلیا۔ بعض کے حصے میں اوپر والا حصہ آیا اور بعض کے حصے میں نیچے والا۔ پس جو لوگ نیچے تھے انہیں پانی لینے کے لیے اوپر والوں کے پاس جانا پڑتا تھا۔ (نیچے والوں نے کہا)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب شرکۃ، باب ھل یقرع في القسمۃ والاستھام فیہ، ۲: ۸۸۲، رقم: ۲۳۶۱

۲۔ ترمذي، السنن، کتاب الفتن عن رسول اللہ ﷺ، باب منہ، ۴: ۴۷۰، رقم: ۲۱۷۳

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۲۶۸، رقم: ۱۸۳۸۷

۴۔ بزار، المسند، ۸: ۲۳۷، رقم: ۳۲۹۸

کیوں نہ ہم اپنے حصے میں سوراخ کر لیں اور اوپر والوں کے پاس جانے کی زحمت سے بچیں۔ پس اگر وہ انہیں ان کے ارادے کے مطابق چھوڑے رہیں تو سب ہلاک ہو جائیں گے اور اگر ان کے ہاتھ پکڑ لیں تو خود بھی بچ جائیں اور دوسرے سب بھی بچ جائیں۔‘‘

۲۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إنّ الأشعريين إذا أرملوا في الغزو، أو قلّ طعام عيالهم بالمدينة جمعوا ما كان عندهم في ثوب واحد ثمّ اقتسموه بينهم في إناء واحد بالسّويّة فهم منّي وأنا منهم۔(۱)

’’اشعریوں کا جب دورانِ جہاد توشہ ختم ہونے لگے یا مدینہ منورہ میں اُن کا سامان خورد و نوش تھوڑا رہ جائے تو وہ سارے بچے ہوئے کو ایک کپڑے میں جمع کرتے اور پھر ایک برتن کے ساتھ آپس میں تقسیم کرلیتے۔ پس وہ مجھ میں سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں۔‘‘

۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

طعام الإثنين كافي الثّلاثة، وطعام الثّلاثة كافي الأربعة۔(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الشرکۃ، باب الشرکۃ فی الطعام، ۲: ۸۸۰، رقم: ۲۳۵۴

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل الأشعريين، ۴: ۱۹۴۴، رقم: ۲۵۰۰

۳۔ نسائي، السنن الکبری، ۵: ۲۴۷، رقم: ۸۷۹۸

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأطعمۃ، باب طعام الواحد، ۵: ۲۰۶۱، رقم: ۵۰۷۷

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الأشربۃ، باب فضیلۃ المواساۃ في الطعام، ۳: ۱۶۳۰، رقم: ۲۰۵۸

’’دو کا کھانا تین کے لئے کافی ہے اور تین کا کھانا چار کے لئے کافی ہے۔‘‘

۴۔ امام مسلم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

طعام الواحد يكفى الإثنين، وطعام الإثنين يكفى الأربعة، وطعام الأربعة يكفى الثمانية۔(۱)

’’ایک شخص کا کھانا دو کے لئے کافی ہوتا ہے، دو کا کھانا چار کے لئے کافی ہوتا ہے اور چار کا کھانا آٹھ کے لئے کافی ہوتا ہے۔‘‘

۵۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب ہم حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سفر پر تھے ایک شخص سواری پر آیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ پس حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له ومن كان له فضل من زاد فليعد به على من لا زاد له۔(۲)

…… ۳۔ ترمذي، السنن، كتاب الأطعمة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في طعام الواحد يكفى الإثنين، ۴:۲۶۷، رقم: ۱۸۲۰

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأشربة، باب فضيلة المواساة في الطعام، ۳: ۱۶۳۰، رقم: ۲۰۵۹

۲۔ ترمذي، السنن، كتاب الأطعمة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في طعام الواحد يكفى الإثنين، ۴:۲۶۷، رقم: ۱۸۲۰

۳۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الأطعمة، باب طعام الواحد يكفى الاثنين، ۲: ۱۰۸۴، رقم: ۳۲۵۴

(۲) مسلم، الصحيح، كتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۱۷۲۸

”جس کے پاس زائد سواری ہے وہ اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس زائد کھانا ہے وہ اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس کھانا نہیں۔“

حدیث کے راوی بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بہت سی مال کی اقسام بیان کیں حتیٰ کہ ہم نے محسوس کیا کہ زائد مال میں سے ہمارا کوئی حق نہیں۔

(۱) معیشت اور روحِ عبادات

ارشادِ ربانی ہے:

وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ج وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ لا وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ۔(۱)

”بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے، اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔“

ارشادِ ربانی کی رو سے گویا بندگی یہ ہے کہ انسان کس حد تک اپنے خالق و مالک کی رضا کی خاطر اس کے پریشان حال بندوں سے عملی ہمدردی اور بہی خواہی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اگر دل میں انسانیت کا یہ درد اور جذبہ خدمت نہ ہو بلکہ اس کے برعکس زندگی کا طرز عمل خود غرضانہ، مفاد پرستانہ اور بہیمانہ ہو تو کوئی عبادت، عبادت نہیں اور نہ کوئی نماز، نماز

(۱) البقرہ، ۲: ۱۷۷

ہے۔ بلکہ یہ سب دکھلاوا اور ریاکاری بن جاتا ہے جو انسان کو بجائے خدا کے قریب کرنے کے جہنم کا ایندھن بنا دے گا۔

نماز کی روح اور دین نبوی ﷺ کی اصل غایت یہی ہے کہ محبت الٰہی میں بندگانِ خدا کی ہر ممکن خدمت کی جائے۔ معاشرے کے بے سہارا اور محتاج لوگوں کی خدمت و کفالت در حقیقت رضائے الٰہی اور قرب الٰہی کا باعث ہے اور یہی مقصودِ نماز ہے۔حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

يا عائشة! لا تردی المسكين ولو بشق تمرة. يا عائشة، أحبی المساكين وقرّبيهم فإنّ الله يقرّبک يوم القيامة۔ (۱)

''اے عائشہ! کسی بھی محتاج اور ضرورت مند کو مایوس نہ کر خواہ کھجور کی گٹھلی ہی کیوں نہ دے سکو۔ مزید یہ کہ غریب اور محتاج لوگوں سے محبت کیا کرو اور ان سے قربت حاصل کیا کرو۔ بیشک (اس کے صلہ میں) اللہ تعالیٰ روزِ قیامت تمہیں اپنے قرب سے نوازیں گے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

السّاعي على الأرملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله أو القائم اللّيل الصّائم النهار۔ (۲)

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، كتاب الزهد عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء أن فقراء المهاجرين يدخلون الجنة قبل أغنيائهم، ۴: ۵۷۷، رقم: ۲۳۵۲
۲۔ بيهقی، السنن الكبری، ۷: ۱۲، رقم: ۱۲۹۳۱
۳۔ بيهقی، شعب الإيمان، ۲: ۱۶۷، رقم: ۱۴۵۳
۴۔ منذری، الترغيب والترهيب، ۴: ۶۷، رقم: ۴۸۲۵

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب النفقات، باب فضل النفقه، ۵: ۲۰۴۷، رقم: ۵۰۳۸

’’بیوہ عورتوں اور محتاجوں کی خدمت و اعانت کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے برابر ہے اور اس نیکوکار کے برابر ہے جو (عمر بھر) ساری رات عبادت کرے اور دن کو روزے رکھے۔‘‘

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أنا وكافل اليتيم في الجنّة هكذا وقال بإصبعيه السّبابة والوسطى۔(1)

’’میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے جیسے یہ دو انگلیاں۔ اور آپ ﷺ نے انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا۔‘‘

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر سورہ ماعون کی تعلیم کو اس طرح دہرایا گیا ہے:

.... ۲۔مسلم، الصحیح، کتاب الزھد والرقائق، باب الإحسان إلی الأرملة، ۴: ۲۲۸۶، رقم: ۲۹۸۲

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۶۱، رقم: ۸۷۱۷

۴۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۱: ۱۰۰، رقم: ۳۰۴

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الأدب، باب فضل من یعول یتیما، ۵: ۲۲۳۷، رقم: ۵۶۵۹

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزھد والرقائق، باب الإحسان إلی الأرملة، ۴: ۲۲۸۷، رقم: ۲۹۸۳

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۷۵، رقم: ۸۸۶۸

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۲۰۷، رقم: ۴۶۰

۵۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۰: ۳۲۰، رقم: ۷۵۹

۶۔ ھیثمی، مجمع الزوائد، ۸: ۱۶۲

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا٥[1]

’’اور (اپنا) کھانا اللہ کی محبت میں (خود اس کی طلب و حاجت ہونے کے باوُجود اِیثاراً) محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں٥‘‘

اس سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معمول کی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ مثلا حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول یہ تھا:

كان ابن عمر رضی اللہ عنہ لا يأكل حتّى يؤتى بمسكين يأكل معه۔[2]

’’حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جب تک کوئی حاجت مندمل کر کھانا نہ کھاتا آپ کھانا تناول نہ فرماتے تھے۔‘‘

(۲) دین معاشی حق کی ادائیگی کا نام ہے

جس طرح اوپر بیان ہوچکا ہے کہ روح نماز درحقیقت وہ جذبہ اور طرزِ عمل ہے جو معاشرے کے بے سہارا ضرورت منداور پریشان حال لوگوں کی زندگی سنوارنے سے عبارت ہو یہی عمل اصل دین ہے۔

۱۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ٥ فَكُّ رَقَبَةٍ٥ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ٥ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ٥ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ٥ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ٥ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

(۱) الدهر، ۷۶: ۸

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأطعمة، باب المؤمن يأكل في معى، ۵: ۲۰۶۱، رقم: ۵۰۷۸

۲۔ أبو عوانه، المسند، ۳: ۱۰، رقم: ۸۴۱۷

الْمَيْمَنَةِo وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِo (۱)

’’اور آپ کیا سمجھے ہیں کہ وہ (دینِ حق کے مجاہدہ کی) گھاٹی کیا ہےo وہ (غلامی ومحکومی کی زندگی سے) کسی گردن کا آزاد کرانا ہےo یا بھوک والے دن (یعنی قحط و اَفلاس کے دور میں غریبوں اور محروم المعیشت لوگوں کو) کھانا کھلانا ہے (یعنی ان کے معاشی تعطل اور ابتلاء کو ختم کرنے کی جدوجہد کرنا ہے)o قرابت دار یتیم کوo یا شدید غربت کے مارے ہوئے محتاج کو جو محض خاک نشین (اور بے گھر) ہےo پھر (شرط یہ ہے کہ ایسی جدّ و جہد کرنے والا) وہ شخص ان لوگوں میں سے ہو جو ایمان لائے ہیں اور ایک دوسرے کوصبر وتحمل کی نصیحت کرتے ہیں اور باہم رحمت و شفقت کی تاکید کرتے ہیںo یہی لوگ دائیں طرف والے (یعنی اہلِ سعادت و مغفرت) ہیںo اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا وہ بائیں طرف والے ہیں (یعنی اہلِ شقاوت و عذاب) ہیںo‘‘

۲۔ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَo وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِo وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّاo وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّاo (۲)

’’یہ بات نہیں بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ عزت اور مال و دولت کے ملنے پر) تم یتیموں کی قدر و اِکرام نہیں کرتےo اور نہ ہی تم مسکینوں (یعنی غریبوں اور محتاجوں) کو کھانا کھلانے کی (معاشرے میں) ایک دوسرے کو ترغیب دیتے ہوo اور وراثت کا سارا مال سمیٹ کر (خود ہی) کھا جاتے ہو (اس میں سے افلاس زدہ لوگوں کا حق نہیں نکالتے)o اور تم مال و دولت سے حد درجہ محبت رکھتے ہوo‘‘

(۱) البلد، ۹۰: ۱۲۔۱۹

(۲) الفجر، ۸۹: ۱۷۔۲۰

ان آیات کے بعد یہ فرمایا گیا کہ ایسے لوگ جہنم کے سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ قرآن نے صراحت کے ساتھ اس طرزِ عمل کو بے دینی اور قوم ثمود کی تباہی کا باعث قرار دیا ہے۔

قرآن حکیم نے قارونی ذہنیت بیان کی کہ جب قوم نے قارون سے کہا کہ وہ غرور و تکبر کو چھوڑ کر بارگاہِ اُلوہیت میں جھک جائے اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے خزانوں میں سے معاشرے کے مستحق افراد کی مدد کرے تو وہ جو کہ سرمایہ و دولت کے نشہ میں بدمست تھا۔ اس نصیحت کے جواب میں کہنے لگا:

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِیْ ط اَوَ لَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللهَ قَدْ اَهْلَکَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًاo (۱)

”وہ کہنے لگا: (میں یہ مال معاشرے اور عوام پر کیوں خرچ کروں) مجھے تو یہ مال صرف اس (کسبی) علم و ہنر کی بنا پر دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے۔ کیا اسے یہ معلوم نہ تھا کہ اللہ نے واقعۃً اس سے پہلے بہت سی ایسی قوموں کو ہلاک کر دیا تھا جو طاقت میں اس سے کہیں زیادہ سخت تھیں اور (مال و دولت اور افرادی قوت کے) جمع کرنے میں کہیں زیادہ (آگے) تھیں، اور (بوقتِ ہلاکت) مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں (مزید تحقیق یا کوئی عذر اور سبب) نہیں پوچھا جائے گاo“

ان آیات نے سرمایہ پرستانہ قارونی فکر اور اسلامی فکر میں واضح حد فاصل (line of distinction) قائم کر دی ہے۔ قارونی فکر، اپنے سرمایہ و دولت کو نہ تو اللہ کی عطا تصور کرتی ہے، نہ خود کو نائب و امین سمجھتی ہے اور نہ ہی اس میں دوسروں کے حق کو تسلیم کرتی ہے جسے مستحقین پر خرچ کرنے کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہو۔ اس کے برعکس اسلامی فکر میں سرمایہ و دولت، انسانی علم کی پیداوار نہیں بلکہ محض اللہ کی عطا ہے

(۱) القصص، ۲۸: ۷۸

انسان اس کا مالک نہیں بلکہ محض نائب و امین ہے اور اس میں دوسرے مستحق افراد کا بھی اسی طرح حق ہے جیسے خود مالک کا ہوتا ہے۔

قرآن مجید نے ایک اور مقام پر یہ پیغام اس قدر بلیغ انداز میں واضح فرمایا ہے کہ اگر اس اُلوہی پیغام کی معنویت اور روحِ انسان کے قلب و باطن میں اُتر جائے تو مفاد پرستانہ ذہنیت کا کلیتاً خاتمہ ہوجائے اور یہ ساری طبقاتی کشمکش اپنی موت مر جائے۔ قرآن حکیم نے فرمایا:

اَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُوْنَo ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَo لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ o اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ o بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَo اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَo ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ o لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَo اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَo ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَo نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَo(۱)

’’بھلا یہ بتاؤ جو (بیج) تم کاشت کرتے ہو۔ تو کیا اُس (سے کھیتی) کو تم اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر دیں پھر تم تعجب اور ندامت ہی کرتے رہ جاؤ۔ (اور کہنے لگو): ہم پر تاوان پڑ گیا۔ بلکہ ہم بے نصیب ہوگئے۔ بھلا یہ بتاؤ جو پانی تم پیتے ہو۔ کیا اسے تم نے بادل سے اتارا ہے یا ہم اتارنے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری بنا دیں، پھر تم شکر ادا کیوں نہیں کرتے۔ بھلا یہ بتاؤ جو آگ تم سُلگاتے ہو۔ کیا اِس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم (اسے) پیدا فرمانے والے ہیں؟ ہم ہی نے اِس (درخت کی آگ) کو (آتشِ جہنّم کی) یاد دلانے والی (نصیحت و عبرت) اور

(۱) الواقعہ، ۵۶: ۶۳۔۷۳

جنگلوں کے مسافروں کے لئے باعثِ منفعت بنایا ہےo‘‘

قرآن حکیم کے ان ارشادات اور احکامات کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ:

۱۔ جملہ اموال میں تمام بنی آدم کا حق برابری کی بنیاد پر رکھا گیا ہے۔

۲۔ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس مال کو صرف اپنی ملکیت سمجھتے ہوئے دوسروں کو اس سے متمتع ہونے سے روک لے۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ امارت (حکومت) کا سوال کیا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أنت ضعيف وهي أمانة وهي يوم القيامة خزي وندامة إلا من أخذها بحقها وأدى ما عليه فيها۔(۱)

’’اے ابو ذر! تو کمزور ہے اور یہ (امارت و حکومت) ایک بہت بڑی امانت اور بروز قیامت (امیر کے لئے) رسوائی اور ندامت کا باعث ہے۔ البتہ (اس حاکم کے لئے رسوائی نہیں ہوگی) جس نے اس کو اس کے حق کے ساتھ اختیار کیا اور امارت و حکومت میں جو ذمہ داری اس پر عائد ہوتی تھی اس کو کماحقہ ادا کیا۔‘‘

یعنی شریعتِ اسلامیہ میں امارت و سیادت کے منصب پر فائز شخصیت اپنی رعیت کی کفالت سے کسی صورت بھی بری الذمہ قرار نہیں دی جا سکتی۔ خلافت کی تعریف کرتے ہوئے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إن الخليفة هو الذي يقضي بكتاب الله، ويشفق على الرعية شفقة الرجل على أهله، فقال كعب الأحبار: صدق۔(۲)

---

(۱) ۱۔ أبو يوسف، كتاب الخراج: ۹

۲۔ أبو عبيد، كتاب الأموال: ۱۱، رقم: ۶

(۲) أبو عبيد، كتاب الأموال: ۱۳، رقم: ۱۲

''خلیفہ وہ ہے جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرے اور (اپنی) رعایا پر اس طرح شفقت کرے جس طرح آدمی اپنے اہل وعیال پر شفقت کرتا ہے۔ یہ سن کر کعب الاحبار نے کہا: سلیمان نے سچ کہا۔''

مندرجہ بالا تعریف کی تشریح کرتے ہوئے ابن تیمیہ (۶۶۱۔۷۲۸ھ) کہتے ہیں:

الوالي راع على الناس بمنزلة راعي الغنم۔(۱)

''جس طرح گڈریا بکریوں کی رکھوالی کرتا ہے اسی طرح سربراہِ حکومت رعایا کا راعی ہے۔''

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما من أمير يلي أمر المسلمين ثم لا يجهد لهم وينصح إلا لم يدخل معهم الجنة۔(۲)

''جو آدمی مسلمانوں کے معاملے (حکومت) کا نگران بنے پھر ان کی بہتری کے لئے کوشش نہ کرے اور نہ ہی ان کی خیر خواہی کرے تو وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہوگا۔''

ما من عبد يسترعيه الله رعية فلم يحطها بنصحه إلا لم يجد رائحة الجنة۔(۳)

(۱) ابن تیمیہ، السياسة الشريعة في إصلاح الراعي والرعية: ۱۶

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب استحقاق الوالي الغاش لرعيته النار، ۱: ۱۲۶، رقم: ۱۴۲

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۰: ۲۲۵، رقم: ۵۲۴

۳۔ أبو عوانه، المسند، ۱: ۴۰، رقم: ۸۹

(۳) بخاري، الصحيح، كتاب الأحكام، باب من استرعى رعية فلم ينصح، ۶: ۲۶۱۴، رقم: ۶۷۳۱

’’جس بندے کو رب ذو الجلال نے کسی رعایا کا حکمران بنایا۔ پھر اس نے اس کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ برتی تو وہ (حکمران) جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔‘‘

ما من عبد يسترعيه الله رعية يموت يوم يموت وهو غاش لرعيته إلا حرم الله عليه الجنة۔ (۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس بندے کو رب ذوالجلال نے کسی رعایا کا حکمران بنایا اور وہ اس حال میں مرتا ہے کہ قوم کا خیرخواہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے۔‘‘

منصف اور عادل حکمران کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إن المقسطين عند الله على منابر من نور عن يمين الرحمٰن ﷻ وكلتا يديه يمين، الذين يعدلون في حكمهم وأهليهم وما ولوا۔ (۲)

’’بے شک انصاف کرنے والے (حکام و امراء) اللہ تعالیٰ کے پاس نور کے منبروں پر اس کے داہنے ہاتھ پر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلہ میں اپنے لوگوں میں اور اپنے زیرِ حکومت

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب استحقاق الوالي الغاش لرعيته النار، ۱: ۱۲۵، رقم: ۱۴۲
۲۔ دارمي، السنن، ۲: ۴۱۷، رقم: ۲۷۹۶
۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۰: ۳۴۶، رقم: ۴۴۹۵

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإمارة، باب فضيلة الإمام العادل وعقوبة الجائر والحث على الرفق بالرعية، ۳: ۱۴۵۸، رقم: ۱۸۲۷
۲۔ نسائي، السنن الكبرى، ۳: ۴۶۰، رقم: ۵۹۱۶
۳۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۷: ۳۹، رقم: ۳۴۰۳۵

امور میں عادل ہیں۔‘‘

السلطان ولي من لاولي له۔(۱)

’’حکمران (یا حکومت) ہر اس آدمی کا سرپرست ہے جس کا کوئی سرپرست نہ ہو۔‘‘

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ یہ اسلامی ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ محروم المعیشت افراد کے معاشی استحکام اور ان کی کفالت کا اہتمام کرے اور اس کے لئے جملہ ذرائع بروئے کار لائے جائیں بقول امام ابن حزم (م ۴۵۶ھ):

فرض على الأغنياء من أهل كل بلد أن يقوموا بفقرائهم ويجبرهم السلطان على ذلک إن لم تقم الزكوات بهم ولا في سائر أموال المسلمين بهم فيقام لهم بما يأكلون من القوت الذي لا بد منه ومن اللباس للشتاء والصيف بمثل ذلک وبمسكن يكنهم من المطر والصيف والشمس وعيون المارة۔(۲)

’’ہر ملک کے مال دار لوگوں پر فرض ہے کہ اپنے غریب لوگوں کی کفالت کریں اگر زکوٰۃ کی آمدنی اور سارے مسلمانوں کا مالِ فئی اس کے لئے کافی نہ ہو تو سلطان ان کو ایسا کرنے پر مجبور کرے گا ان (اہلِ حاجت) کے لئے اتنے مال کا انتظام کیا جائے گا جس سے وہ بقدر ضرورت غذا حاصل کر سکیں اور اس طرح

(۱) ۱۔ترمذي، السنن، كتاب النكاح، باب ما جاء لا نكاح إلا بولي، ۳: ۴۰۷، رقم: ۱۱۰۲

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب النكاح، باب في الولي، ۲: ۲۲۹، رقم: ۲۰۸۳

۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۹: ۳۸۶، رقم: ۴۰۷۵

۴۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۱۸۲، رقم: ۲۷۰۶

(۲) ابن حزم، المحلى، ۶: ۱۵۶

جاڑے اور گرمی کا لباس وغیرہ بھی (حاصل کر سکیں) اور ایک ایسا مکان جو انہیں بارش، گرمی، دھوپ اور راہ گیروں کی نظروں سے محفوظ رکھ سکے۔‘‘

عوام کی معاشی ضروریات کی تکمیل کی ذمہ داری حکومتِ وقت پر کس حد تک عائد ہوتی ہے اس کا اندازہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ سے ہوتا ہے جو آپ نے قادسیہ کی فتح کی خوشخبری سنانے کے بعد ارشاد فرمایا:

إنّي حريص علی أن لا أری حاجة إلّا سددتها ما اتسع بعضنا لبعض فإذا عجز ذلک عنّا تاسينا في عيشنا حتّی نستوی في الكفاف. ولوددت أنّكم علمتم من نفسي مثل الّذي وقع فيها لكم. ولست معلمكم إلّا بالعمل إنّي والله لست بملک فاستعبدكم ولكني عبد الله عرض علي الإمانة فإن أبيتها ورددتها عليكم واتّبعتكم حتّی تشبعوا في بيوتكم وترووا سعدت بكم وإن أنا حملتها واستتبعتكم إلی بيتی شقيت بكم ففرحت قليلا وحزنت طويلا. فبقيت لا اقال ولا ارد فأستعتب۔(۱)

’’مجھے اسی بات کی بڑی فکر رہتی ہے کہ جہاں بھی (تمہاری) کوئی ضرورت دیکھوں اسے پورا کروں۔ جب تک ہم میں سے بعض اسے بعض کے لئے پورا کرنے کی گنجائش رکھتے ہوں۔ جب ہمارے اندر اتنی گنجائش نہ رہ جائے تو ہم باہمی امداد کے ذریعے گزر اوقات کریں گے یہاں تک کہ سب کا معیار زندگی ایک سا ہو جائے۔ کاش تم جان سکتے کہ میرے دل میں تمہارا کتنا خیال ہے۔ لیکن میں یہ بات تمہیں عمل کے ذریعے ہی سمجھا سکتا ہوں۔ خدا کی قسم میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو اپنا غلام بنا کر رکھوں بلکہ خدا کا بندہ ہوں (خلافت

(۱) ابن كثير، البداية والنهاية، ۷: ۴۶

حکومت کی) امانت میرے سپرد کی گئی ہے۔اب اگر میں اس کو اپنی ذاتی ملکیت نہ سمجھوں بلکہ (تمہاری امانت سمجھ کر) تمہاری طرف واپس کردوں اور (تمہاری خدمت و ادائے حقوق کے لئے) تمہارے پیچھے پیچھے چلوں یہاں تک کہ تم اپنے گھروں میں سیر ہوکر کھا پی سکو تو میں تمہارے ذریعے فلاح پاؤں گا اور اگر میں اسے اپنا بنا لوں اور تمہیں اپنے پیچھے پیچھے چلنے اور (اپنے حقوق طلب کرنے کے لئے) اپنے گھر آنے پر مجبور کردوں تو تمہارے ذریعہ میرا انجام خراب ہوگا۔ (دنیا میں) کچھ عرصے خوشی منا لوں گا مگر (آخرت میں) عرصہ دراز تک غمگین رہوں گا اور میرا حال یہ ہوگا کہ نہ کوئی مجھے کچھ کہنے والا ہوگا اور نہ کوئی میری بات کا جواب دے گا کہ میں اپنا عذر بیان کر کے معافی حاصل کر سکوں۔“

(۳) غربا کی عزتِ نفس کا احترام

غربا کی عزت نفس کے احترام کو بیان کرنے کے لیے قرآن حکیم نے سورہ نحل میں نہایت پرلطف اور پرمغز استدلال قائم کیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ (۱)

”اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق (کے درجات) میں فضیلت دی ہے (تاکہ وہ تمہیں حکمِ انفاق کے ذریعے آزمائے)، مگر جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنی دولت (کے کچھ حصہ کو بھی) اپنے زیردست لوگوں پر نہیں لوٹاتے (یعنی خرچ نہیں کرتے) حالانکہ وہ سب اس میں (بنیادی ضروریات کی

(۱) النحل، ۱۶: ۷۱

حد تک) برابر ہیں، تو کیا وہ اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں؟o‘‘

اس آیتِ کریمہ میں تین مقامات خاص طور پر قابلِ توجہ ہیں:

۱۔ **فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ۔**

’’وہ جنہیں رزق میں فضیلت دی گئی ہے اپنے رزق میں سے کچھ بھی اپنے زیر دستوں کو نہیں لوٹاتے۔‘‘

۲۔ **فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ۔**

’’حالانکہ وہ سب اس (حق رزق) میں برابر کے حق دار ہیں۔‘‘

۳۔ **اَفَبِنِعْمَةِ اللهِ يَجْحَدُوْنَ۔**

’’تو کیا وہ ایسا کرکے (یعنی انہیں محروم رکھ کر) اللہ کی نعمتوں کا کھلا انکار نہیں کر رہے؟‘‘

(۴) مستحقین کی توقیر و حرمت: تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

۱۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ ایک شخص اپنی سواری پر سوار آیا اور کسی چیز کی ضرورت کی وجہ سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له ومن كان له فضل من زاد فليعد به على من لا زاد له۔(۱)

’’جس کے پاس زائد سواری ہے وہ اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس سواری

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۱۷۲۸

نہیں اور جس کے پاس زائد کھانا ہے وہ اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس کھانا نہیں۔‘‘

حدیث پاک میں قابل توجہ حضور نبی اکرم ﷺ کے یہ الفاظ ہیں ’’**فليعد به**‘‘ یعنی لوٹا دو۔ آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ غرباء کو عطاء کر دو۔ دینے اور لوٹانے میں بڑا واضح فرق پایا جاتا ہے۔ اگر آپ اپنے ذاتی حق میں سے کسی کو کچھ دے دیں تو یہ عطاء ہو گی لیکن اگر معاشرے کے ظالمانہ استحصالی نظام کے تحت کسی غریب کا حق بھی آپ نے سلب کر کے اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے اور آپ اسے اس کے حقیقی حقدار تک پہنچا دیں تو یہ دینا نہیں بلکہ لوٹانا ہوگا۔

۲۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (عہد نبوی ﷺ میں ایک سال لوگ مالی تنگی اور عسرت کی حالت میں تھے تو) حضور نبی اکرم ﷺ نے قربانی کے موقع پر فرمایا:

من ضحى منكم فلا يصبحن بعد ثالثة وفي بيته منه شيء۔(۱)

’’تم میں سے جو شخص قربانی کرے تو وہ تیسری رات کے بعد اس حالت میں نہ اٹھے کہ اس کے گھر میں گوشت کی ایک بوٹی بھی ہو۔‘‘

چنانچہ اسی طرح عمل کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے گوشت ذخیرہ کرنے کے بجائے بانٹ دیا۔ اگلے سال بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی حکم کی تعمیل میں سارا گوشت تقسیم کر

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الأضاحی، باب ما يؤكل من لحوم، ۵: ۲۱۵، رقم: ۵۲۴۹

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأضاحی، باب ما كان من النهی عن أكل لحوم الأضاحی بعد ثلاث، ۳: ۱۵۶۳، رقم: ۱۹۷۴

۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۳: ۲۵۳، رقم: ۵۹۲۹

۴۔ بيهقی، السنن الكبری، ۹: ۲۹۲

دیا اور آئندہ ضرورت کے لئے بچا کر نہ رکھا اور عرض کیا:

يا رسول الله! نفعل كما فعلنا عام الماضى.

’’یا رسول اللہ! ہم اس مرتبہ بھی سابقہ سال کی طرح کریں۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

كلوا وأطعموا وادّخروا فإنّ ذلك العام كان بالنّاس جهد فأردت أن تعينوا فيها۔(۱)

’’اس سال کھاؤ، کھلاؤ اور (حسبِ ضرورت) بچا کر بھی رکھو۔ پچھلے سال لوگ پریشان حال تھے پس میں نے چاہا کہ تم ایک دوسرے کی مدد کرو۔‘‘

۳۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے حکم پر اپنا باغ اپنے مستحق رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا:

فقسّمها أبو طلحة في أقاربه وبني عمّه۔(۲)

’’پس حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے وہ باغ اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الأضاحى، باب ما يؤكل من لحوم، ۵: ۲۱۱۵، رقم: ۵۲۴۹

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأضاحى، باب ما كان من النهى عن أكل لحوم الأضاحى بعد ثلاث، ۳: ۱۵۶۳، رقم: ۱۹۷۴

۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۳: ۲۵۳، رقم: ۵۹۲۹

۴۔ بيهقى، السنن الكبرى، ۹: ۲۹۲

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الزكاة، باب الزكاة على الأقارب، ۲: ۵۳۰، رقم: ۱۳۹۲

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۶: ۱۵۰، رقم: ۷۱۸۲

۳۔ ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۳۸۲

تقسیم کر دیا۔‘‘

گویا معاشرے میں مال اور رزق کی تقسیم کا نظام انسان کی پیدا کردہ ناہمواریوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہو چکا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو برابر کا حقِ معاش عطا فرمایا ہے۔ لہٰذا معاشرے کے متمول اور صاحبِ ثروت افراد کا معاشرے کے محروم المعیشت اور مفلوک الحال لوگوں کو معاشی حقوق ادا کرنا ان پر احسان نہیں بلکہ یہ اصل حقدار کو اس کا حق لوٹانا ہے۔

(۵) معاشی ذمہ داریاں اور تقاضائے ایمان

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لیس المؤمن الّذی یشبع و جارہ جائع۔[۱]

’’وہ شخص ہرگز مومن نہیں ہو سکتا جو خود تو پیٹ بھر کر سوئے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔‘‘

اس حدیث مبارکہ کی رو سے بنیادی ضروریات کا ہر فرد معاشرہ کو بہم پہنچانا شرط ایمان قرار دیا گیا ہے اور کم سے کم ذمہ داری ہر ایک پڑوسی کی دوسرے پڑوسی کے حوالے سے یہ ہے کہ کوئی شخص بھی کسی بنیادی ضرورت سے محروم نہ رہے۔ چونکہ تمام افراد معاشرہ ایک دوسرے کے ساتھ پڑوسی کے رشتے میں منسلک ہیں۔ اس لئے یہ ذمہ داری پورے معاشرے کی ہے کہ اپنے کسی فرد کو بھی بنیادی حق معاش سے محروم نہ رہنے دے۔ اسلامی حکومت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس کی تنفیذ کا اہتمام کرے۔

---

(۱) ۱۔ أبو یعلی، المسند، ۵: ۹۲، رقم: ۲۶۹۹
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۲: ۱۵۴، رقم: ۱۲۷۴۱
۳۔ عبد بن حمید، المسند، ۱: ۲۳۱، رقم: ۶۹۴
۴۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۸: ۱۶۷

۵۔ سیرۃُ الرسول ﷺ اور معیشت و ریاست کا تعلق

(۱) ریاست کی ذمہ داریاں

i. حقِ معاش کی فراہمی

سیرتِ نبوی ﷺ کا مدنی دور اس امر کا عملی ثبوت ہے کہ افرادِ معاشرہ کی معاشی بحالی اور انہیں حقِ معاش فراہم کرنا ریاست کی بنیادی ذمہ داریوں میں سے ہے۔ قرآن مجید میں بھی جن مقامات پر بندوں کو رزق فراہم کرنے کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ ان میں اسلامی ریاست کو اس کی بنیادی ذمہ داری سے آگاہ کیا گیا ہے۔ یہ قرآنی احکام اس منشاء ایزدی کو ظاہر کرتے ہیں۔ لہٰذا اسلامی ریاست پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی اس بنیادی ذمہ داری کو پورا کرے کہ ایسا کرنے سے ہی اس کے قیام و بقا کا جواز ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللهِ رِزْقُهَا۔ (۱)

’’اور زمین میں کوئی چلنے پھرنے والا (جاندار) نہیں ہے مگر (یہ کہ) اس کا رزق اللہ (کے ذمۂ کرم) پر ہے۔‘‘

اب اس وعدۂ الٰہی کے بعد اگر کوئی شخص بنیادی حق معاش سے محروم رہے تو اس کی ذمہ داری براہ راست ریاست اور حکومتِ اسلامی پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ حقوق اللہ کی تنفیذ اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دینا منجانب اللہ اسلامی ریاست ہی کا حق ہے۔ جیسے حدود کا اجراء، حقوق اللہ میں سے ہے مگر اس کو تعزیری شکل میں ریاست نافذ کرتی ہے۔

اسلامی نظام حکومت میں حکمران اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہوتا ہے اور جب کوئی اسلامی حکومت خلافت الٰہیہ ہونے کے ناتے بندوں سے وہ حقوق حاصل کرتی ہے جو

(۱) ھود، ۱۱:۶

اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں (مثلاً حدود، قصاص، عشر، زکوٰۃ وغیرہ) تو پھر اسے لازماً وہ فرائض بھی ادا کرنا ہوں گے جو اللہ رب العزت نے اپنے ذمے لئے ہیں۔ پس ''إلّا علی اللہ رزقھا'' کا مفہوم یہ ہوگا کہ ہر فرد کی معاشی ضروریات کا پورا کرنا اسلامی ریاست کا فرض منصبی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَ اِيَّاكُمْ ج وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ○(۱)

''اور کتنے ہی جانور ہیں جو اپنی روزی (اپنے ساتھ) نہیں اٹھائے پھرتے اللہ انہیں بھی رزق عطا کرتا ہے اور تمہیں بھی، اور وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے○''

یہاں بھی ''یرزقھا و إیّاکم'' کے الفاظ قابل توجہ ہیں جو حقِ معاش کی یکساں فراہمی کی ذمہ داری کا واشگاف اعلان کر رہے ہیں۔

ایک اور مقام پر ہر فرد کو حقِ معاش کی یکساں فراہمی کا وعدہ اس طرح کیا گیا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ.(۲)

''اور مفلسی کے باعث اپنی اولاد کو قتل مت کرو، ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی (دیں گے)۔''

اس آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ اس امر کا اعلان فرما رہا ہے کہ ہر ایک کو بنیادی طور پر رزق مہیا کرنا ہماری ذمہ داری ہے جس سے یہ امر ثابت ہے کہ باری تعالیٰ ایسے تمام مقاصد، معاشرتی زندگی میں افراد کے قائم کردہ نظام کے ذریعے سے ہی پورا کرنے کا حکم

(۱) العنکبوت، ۲۹: ۶۰

(۲) الانعام، ۶: ۱۵۱

صادر فرما رہا ہے۔ اس لئے کہ یہ عالم اسباب ہے اور ’’نحن نرزقکم و ایّاھم‘‘ کا مفہوم یہی ہے کہ جس طرح تمہارے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہے اسی طرح ان کی ذمہ داری بھی جو تمہارے زیر کفالت ہیں اسی پر ہے۔

اس امر کی وضاحت کہ وہ کونسا بنیادی حق معاش ہے جس کی فراہمی اسلامی معاشرے اور ریاست کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے اس حدیث مبارکہ میں بیان کی گئی ہے:

عن عثمان أنّ النّبي ﷺ قال: ليس لابن آدم حقّ في سوىٰ هذه الخصال بيت يسكنه وثوب يوارى عورته وجلف الخبز والماء۔(۱)

’’حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابن آدم کے لئے سوائے ان اُمور کے کوئی حق نہیں، رہنے کے لئے گھر، ستر ڈھانپنے کے لئے کپڑا اور ضرورت کی روٹی (اور پانی یعنی یہ بنیادی حقِ معاش ہے، جب تک یہ ہر ایک کو میسر نہ آجائے۔ اس سے زائد کا حق کسی کو نہیں)۔‘‘

مذکورہ بالا حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ حقِ معیشت (یعنی ضروریات زندگی) سے زیادہ کو اپنا بنیادی حق سمجھنا اور دوسروں کو محرومی سے دوچار کر کے بھی حقِ معیشت سے زائد تحفظ کا مطالبہ کرنا اسلامی شریعت کے لئے ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔ مزید برآں مال و اسباب کے باب میں ایسی بنیادی ضروریات کا فراہم کیا جانا لوگوں کا بنیادی حق ہے۔ جیسے یہ ہر ایک کو یکساں طور پر ادا کیا جانا چاہیئے۔

اس سلسلے میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بھی اس بنیادی تصور کی وضاحت

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الزھد، باب منه، ۴: ۵۷۱، رقم: ۲۳۴۱
۲۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۳۴۷، رقم: ۷۸۶۷
۳۔ مقدسی، الأحادیث المختارہ، ۱: ۴۵۵، رقم: ۳۲۹

کر رہا ہے کہ اگر ایسے حالات ہو کہ لوگوں کی زندگیاں خطرے میں پڑ جائیں تو مالدار لوگوں کے مال سے غریبوں کو زبردستی چھین کر بھی دیا جاسکتا ہے:

فواللہ، لو أنّ اللہ لم یفرجها ما ترکت أهل بیت من المسلمین لهم سعة إلّا أدخلت معهم أعدادهم من الفقراء فلم یکن اثنان یهلکان من الطّعام علی ما یقیم واحدا۔(۱)

”(حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:) خدا کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ قحط رفع نہ فرماتا تو میں کوئی بھی ایسا گھر نہ چھوڑتا جس میں کھانا موجود ہوتا، مگر اس کے افراد کے برابر دیگر مستحقین اور محتاجوں کو اس میں حکماً داخل کر دیتا۔ کیونکہ ایک شخص کا کھانا یقیناً دو افراد کو ہلاک ہونے سے بچا لیتا ہے۔“

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دوسرا قول مبارک بھی ملاحظہ ہو:

لو استقبلت من أمری ما استدبرت لأخذت فضول أموال الأغنیاء فقسّمتها علی فقراء المهاجرین۔(۲)

”اگر مجھے اس امر کا خیال پہلے آجاتا تو میں مالداروں کی زائد دولت لیکر فقراء مہاجرین میں تقسیم کردیتا۔“

ii. سیرۃُ الرسول ﷺ اور بنیادی حقِ معاش

حضور نبی اکرم ﷺ نے معاشرے کے تمام افراد کو بنیادی حقِ معاش میں مساوات ملحوظ رکھنے کا حکم صادر فرمایا اور محروم المعیشت افراد کی کفالت کا باقاعدہ انتظام بھی

(۱) ۱۔ بخاری، الأدب المفرد: ۱۹۸، رقم: ۵۶۲

۲۔ أبو زید عمر بن شبة، أخبار المدینة: ۳۹۲

(۲) ابن حزم، المحلی، ۶: ۱۵۸

فرمایا۔ جس کا اندازہ درج ذیل احادیثِ مبارکہ سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من كان عنده فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له ومن كان عنده فضل زاد فليعد به على من لا زاد له فقال: ذكر أصناف المال حتّى رأينا أنه لا حق لأحد منا في الفضل۔(۱)

’’جس کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہے وہ اسے لوٹا دے جس کے پاس ضرورت کی سواری نہیں۔ جس کے پاس ضرورت سے زائد کھانا اور سامان ہے وہ اس کو دے دے جس کے پاس ضرورت کا کھانا نہیں۔ اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ نے متعدد اصناف مال کا ذکر فرمایا۔ حتی کہ ہم نے گمان کیا کہ زائد از ضرورت کسی شے میں بھی ہمارا حق نہیں ہے۔‘‘

iii. حکمران کی اہلیت: معاشی مساوات کا قیام

حضور نبی اکرم ﷺ نے قربِ قیامت کے آخری زمانہ میں ظہور پذیر ہونے والے ایک صالح حکمران (حضرت امام مہدی علیہ السلام) کے بارے میں پیشن گوئی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگوں میں معاشی مساوات قائم کرے گا۔

حدیث مبارکہ کے الفاظ یہ ہیں:

أبشركم بالمهدى يبعث في أمّتي على اختلاف من النّاس وزلازل فيملأ الأرض قسطا وعدلا كما ملئت جورا وظلماً يرضى عنه

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۱۷۲۸

ساكن السّماء وساكن الأرض يقسم المال صحاحاً؟ قال له رجل: ما صحاحاً؟ قال: بالسّوية بين النّاس ويملأ الله قلوب أمّة محمد ﷺ غنى۔[۱]

’’میں تمہیں مہدی (علیہ السلام) کی بشارت دیتا ہوں وہ ایسے دور میں مبعوث ہوں گے جب لوگ باہم اختلاف کا شکار ہوں گے اور وہ زمین میں عدل و انصاف قائم کریں گے۔ جیسا کہ پہلے ظلم جاری ہو گا۔ ساکنان زمین و آسمان اس سے خوش ہوں گے۔ وہ صحیح طریقہ پر مال تقسیم کریں گے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: وہ صحیح طریقہ کیا ہے؟ فرمایا: لوگوں کے درمیان مساوی تقسیم کرے گا۔ حتی کہ اللہ تعالیٰ مومنین کے دلوں کو استغناء سے مالا مال کر دے گا۔‘‘

یہ امر ظاہر و باہر ہے کہ دولت کی برابر تقسیم نہ تو عملاً ممکن ہے اور نہ شرعاً اس کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس ’’تقسیم‘‘ سے مراد بنیادی ضروریات کی مساوی تقسیم ہی ہو سکتی ہے کہ بنیادی معاش ہر ایک میں اس طرح برابر تقسیم ہو گا کہ معاشرے میں معاشی تعطل نہ رہے اور کوئی فرد بنیادی ضروریات سے محروم نہ رہنے پائے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مال و دولت کے بارے میں نصیحت کرتے ہوئے چار بنیادی باتوں کا خیال رکھنے کی ہدایت دی:

أربع من عمل بهن استوجب العدل: الأمانة في المال والتسوية في القسم والوفاء بالعدة والخروج من العيوب۔[۲]

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۷، رقم: ۱۱۳۴۴
۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۷: ۳۱۳

(۲) ۱۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۴۹۰
۲۔ ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، ۱۸: ۶

”چار اُمور ایسے ہیں کہ جس نے ان پر عمل کر لیا اُس نے عدل و انصاف کا حق ادا کر دیا: مالی معاملات میں امانت داری، تقسیم اموال میں برابری، وقت پر ایفائے عہد اور عیبوں کو ترک کرنا۔“

یہاں بھی ”التسویه“ سے مراد حق معاش کی برابری ہے۔ جو معاشرے کے تمام افراد کو بنیادی ضروریات اور حاجات مساوی طور پر ادا کرنے کی ضامن ہو۔

زندگی میں بنیادی ضرورت کی فراہمی کی طرح اگر کوئی شخص قرض چھوڑ کر مر جائے اور اس کے ورثاء قرض کی ادائیگی کی استطاعت نہ رکھتے ہوں تو حضور نبی اکرم ﷺ نے اسے بھی اسلامی ریاست کی ذمہ داری قرار دیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے:

فلمّا فتح الله عليه الفتوح قام فقال: أنا أولى بالمؤمنين من أنفسهم فمن توفي من المؤمنين فترک دينا عليّ قضاؤه ومن ترک مالا فهو لورثته۔[1]

”جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات کا دروازہ کھول دیا تو آپ ﷺ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا: میں اہلِ ایمان کے ساتھ ان کی جانوں سے قریب تر ہوں۔ اہلِ ایمان میں سے جو فوت ہو جائے اور اس کے ذمے قرض ہو تو اس کی ادائیگی میرا فرض ہے اور جو وہ مال چھوڑ کر مر جائے تو وہ اس کے وارثوں

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، کتاب الکفالة، باب الدين، ۲: ۸۰۵، رقم: ۲۱۷۶
۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الفرائض، باب من ترك مالا فلورثته، ۳: ۱۲۳۷، رقم: ۱۶۱۹
۳۔ ترمذی، السنن، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی الصلاة على المديون، ۳: ۳۸۲، رقم: ۱۰۷۰
۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۵۳، رقم: ۹۸۴۷

کا ہے۔‘‘

ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے ایسے تمام احکام کی عملی اہمیت کو کم کرنے کے لئے انہیں محض نفلی اور اضافی نیکی یعنی مستحبات میں شمار کرلیا ہے حالانکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے قول وعمل سے ان کا وجوب اور لزوم ہی ثابت ہوتا ہے۔

iv. حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتصادی اصلاحات

۱۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خزانہ (بیت المال) کے مصارف کے بارے میں حکومتی سطح پر حکمِ اقتصاد پر بڑی سختی سے عمل درآمد کرایا اور سرکاری سطح پر ہر قسم کے اسراف کو ختم کر دیا۔ کیونکہ اس کے بغیر عوام کو صرف مال کے بارے میں اقتصاد کا عامل نہیں بنایا جاسکتا۔ اس باب میں امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:

إنّ عمر بن الخطاب كتب إلى عمّاله أن لا تطيلوا بناءكم فإنّه من شر أيّامكم۔(۱)

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت کے امراء اور افسروں کو یہ تحریری ہدایت جاری فرمائی کہ وہ اپنی رہائش گاہیں بلند و بالا نہ بنائیں کہ ایسا عمل بدترین دور کی علامت ہے۔‘‘

۲۔ امام ابو یوسفؒ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایک اور حکم نامہ (circular) کا ذکر کرتے ہیں جو کہ آپ رضی اللہ عنہ نے تمام حکام اور افسران کے نام جاری فرمایا اس روایت کو امام ابن ابی شیبہ اور ابن عساکر نے بھی روایت کیا ہے:

أن لا يأكل نقيا ولا يلبس رقيقا ولا يركب برذونا ولا يغلق بابه

---

(۱) ۱۔ بخاری، الأدب المفرد: ۱۶۱، رقم: ۴۵۲

۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۸: ۴۸۶

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

دون حوائج النّاس۔(۱)

’’کہ وہ غیر معمولی کھانے نہ کھائیں، نہ اعلیٰ زیادہ قیمتی اور نفیس کپڑا پہنیں، اعلیٰ نسل کے گھوڑوں پر سواری نہ کریں اور ضرورت مندوں کے لئے دروازے بند نہ کرے۔‘‘

۳۔ آپ کو معلوم ہوا کہ مصر کا ایک اعلیٰ افسر عیاض بن غنم بہت قیمتی لباس پہنتا ہے (یعنی اس کا رہن سہن اسراف کا آئینہ دار ہے) تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے اس معاملے کی تحقیقات کرائی اور جواب طلبی کے بعد اسے برطرف کر دیا اور سزا کے طور پر بکریوں کا ریوڑ چرانے کا کام اس کو سونپ دیا۔(۲)

الغرض اپنی دور رس حکمت عملیوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ریاست میں ایسا عظیم اقتصادی و معاشرتی نظام قائم فرمایا جس سے معاشرے میں ہر سطح پر ظلم و جبر اور تعیش پرستی کا کلیتاً خاتمہ ہوگیا اور ایک صحیح اسلامی فلاحی ریاست معرض وجود میں آ گئی، تاریخ جس کی مثال آج تک پیش کرنے سے قاصر ہے۔

v. کفالتِ عامہ کا نظام اور ریاست کی ذمہ داری

قرآن مجید کے حکم ’’تعاونوا علی البر والتقوی‘‘ کا اہم ترین عنصر معاشی زندگی میں امداد باہمی ہے جو کفالت عامہ کے نظام پر منتج ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اسلامی ریاست مدینہ کے قیام کے بعد نظام اسلامی کے نفاذ کے سلسلے کا پہلا قدم ہی یہی اٹھایا جو تاریخ میں ’’مواخاتِ مدینہ‘‘ کے نام سے معروف ہے۔(۳)

(۱) ۱۔ ابن أبی شیبہ، المصنف، ۶: ۴۶۱، رقم: ۳۲۹۲۰
۲۔ ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، ۴۴: ۲۷۶
۳۔ أبو یوسف، کتاب الخراج: ۱۲۵
(۲) أبو یوسف، کتاب الخراج: ۱۲۶
(۳) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۳: ۳۶

یہ اس وقت کی بات ہے جب حدود و تعزیرات یا دیگر بہت سے اسلامی احکام کا اجراء عمل میں نہیں آیا تھا۔ حتی کہ سود اور بہت سے دیگر محرمات کا بھی اجراء نہ ہوا تھا۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اسلامی انقلاب کا آغاز معاشرے میں معاشی استحکام سے ہوا اور اسلامی سزاؤں کے نفاذ بعد میں کیا گیا۔ کیونکہ سزائیں احکام وضعی (Declaratory Laws) ہیں، تکلیفی (Primary) نہیں۔ یہ مقصود بالذات نہیں ہیں۔ اصل مقصود تو معاشرے کے غیر اسلامی استحصالی اور فاسقانہ ڈھانچے کو بدلنا اور افرادِ معاشرہ کے فکر و عمل کی سمتوں کو از سر نو متعین کرنا ہے۔ اس اہتمام کے ساتھ کہ بعد میں اگر کوئی ان اسلامی معاشرتی قدروں کو پامال کرنا چاہے تو اسے سزا کے ذریعے روکا جا سکے۔

امدادِ باہمی اور کفالت عامہ کے تصور کے تحت اسلام نے پورے معاشرے کے حوالے سے یہ ریاست کی ذمہ داری قرار دی ہے کہ جو افراد محض اپنے وسائل سے اپنی جائز ضروریات کی کفالت نہیں کر سکتے ان کا بوجھ معاشرہ ان کے ساتھ مل کر اٹھائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما سے مروی ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایامِ قحط میں دعا فرمائی اور قحط رفع ہو گیا اور بعد ازاں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فواللہ، لو أنّ اللہ لم یفرجھا ما ترکت أھل بیت من المسلمین لھم سعة إلّا أدخلت معھم أعداد ھم من الفقراء فلم یکن اثنان یھلکان من الطّعام علی ما یقیم واحدا۔ (1)

”(حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:) خدا کی قسم! اگر قحط رفع نہ ہوتا تو میں کوئی بھی ایسا گھر نہ چھوڑتا جس میں کھانا موجود ہوتا، مگر اس کے افراد کے برابر دیگر مستحقین اور محتاجوں کو اس میں حکماً داخل کر دیتا۔ کیونکہ ایک شخص کا کھانا یقیناً

(۱) ۱۔ بخاری، الأدب المفرد: ۱۹۸، رقم: ۵۶۲
۲۔ أبو زید عمر بن شبة، أخبار المدینة: ۳۹۲

دو افراد کو ہلاک ہونے سے بچا لیتا ہے۔‘‘

یہ سب آثار و نظائر اس تصورِ کفالت کی تفصیلات و توضیحات ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے خود اپنے عہدِ مبارک کے ایک قبیلے کی اس خصوصیت کا بطورِ خاص ذکر فرمایا ہے کہ جب ان میں سے بعض کے پاس سامانِ خورد و نوش اور اسبابِ معیشت ختم ہو جاتے ہیں تو پھر ان کا معمول یہ ہوتا:

ما كان عندهم في ثوب واحد ثم اقتسموه بينهم في إناء واحد بالسّوية فهم منّي وأنا منهم۔(۱)

’’ان میں سے جس جس کے پاس جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ سب ایک کپڑے میں اکٹھا کر لیتے ہیں اور ایک برتن کے ذریعے آپس میں برابر تقسیم کر لیتے ہیں۔ پس ان کے اسی عملی ایثار کے باعث میں ان کو اپنے میں سے اور خود کو ان میں سے تصور کرتا ہوں۔‘‘

مزید برآں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی درج ذیل روایت سے بھی اسی تصورِ معیشت کی تائید ہوتی ہے۔ جس کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له ومن كان له فضل من زاد فليعد به على من لا زاد له قال: فذكر من أصناف

www.MinhajBooks.com

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الشرکۃ، باب الشرکۃ فی الطعام، ۲: ۸۸۰، رقم: ۲۳۵۴

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل الأشعریین، ۴: ۱۹۴۴، رقم: ۲۵۰۰

۳۔ نسائي، السنن الکبری، ۵: ۲۴۷، رقم: ۸۷۹۸

المال ما ذكر حتى رأينا أنه لا حق لأحد منّا في فضل۔(۱)

’’جس کے پاس زائد سواری ہے وہ اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس زائد کھانا ہے وہ اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس کھانا نہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مال کی بہت سی اقسام بیان کیں حتی کہ ہم نے محسوس کیا کہ زائد مال میں سے ہمارا کوئی حق نہیں۔‘‘

ابن حزم ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’اس بات پر صحابہ کا اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص بھوکا ننگا یا ضروریاتِ رہائش سے محروم ہے تو مالداروں کے فاضل مال سے اس کی کفالت کرنا فرض ہے۔‘‘(۲)

یہ حدیث ان حالات کی نشاندہی کر رہی ہے جب ﴿يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ﴾(۳) ’’آپ سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ فرما دیں جو ضرورت سے زائد ہے (خرچ کر دو)‘‘ کے قرآنی حکم کا نفاذ حالات کی سنگینی کے خاتمے کے لیے واجب ہو جاتا ہے۔ انفاق کا عمل حضور نبی اکرم ﷺ کے عطا کردہ تصورِ معیشت میں کس قدر موجزن تھا۔ اس کا مظاہرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں قدم قدم پر دکھائی دیتا ہے۔ اس کی ایک جھلک حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے اس عمل

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة بفضول المال، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۱۷۲۸

۲۔ أبوداود، السنن، كتاب الزكاة، باب في حقوق المال، ۲: ۱۲۵، رقم: ۱۶۶۳

۳۔ أبو يعلى، المسند، ۲: ۳۲۶، رقم: ۱۰۶۴

(۲) ابن حزم، المحلى، ۶: ۱۵۸

(۳) البقرہ، ۲: ۲۱۹

سے بھی آشکار ہوتی ہے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ نے محض ''﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾⁽¹⁾ ''تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو'' کی قرآنی ترغیب پر اپنی سب سے بڑی اور قیمتی جائیداد مستحق اعزہ اور اقارب میں تقسیم کر دی جس کی شہادت ''صحیح بخاری'' کے یہ الفاظ یوں فراہم کر رہے ہیں:

فقسّمها أبو طلحة في أقاربه وبني عمّه۔⁽²⁾

''پس حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے وہ باغ اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔''

اسی کی ایک مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس عمل انفاق میں دکھائی دیتی ہے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ غزوہ تبوک کے موقع پر راہِ خدا میں سب کچھ لٹا چکے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے پوچھا: اے ابوبکر! اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟ انہوں نے عرض کیا:

أبقيت لهم الله ورسوله۔⁽³⁾

---

(۱) آل عمران، ۳: ۹۲

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب الزکاۃ علی الأقارب، ۲: ۵۳۰، رقم: ۱۳۹۲

۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۶: ۱۵۰، رقم: ۷۱۸۲

۳۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۳۸۲

(۳) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب فی مناقب أبی بکر وعمر کلیهما، ۵: ۶۱۴، رقم: ۳۶۷۵

۲۔ دارمی، السنن، ۱: ۴۸۰، رقم: ۱۶۶۰

۳۔ أحمد بن حنبل، فضائل الصحابۃ، ۱: ۳۶۰، رقم: ۵۲۷

۴۔ مقدسی، الأحادیث المختارۃ، ۱: ۱۷۳، رقم: ۸۱

’’یا رسولّ اللہ! ان کے لیے اللہ اور اس کا رسول ﷺ چھوڑ آیا ہوں۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کے یہ ارشادات اس تصور کی ریاستی سطح پر اہمیت کو مزید اُجاگر کرتے ہیں:

فأيّما مؤمن ترک مالا فليرثه عصبته من کانوا فإن ترک دينًا أو ضياعاً فليأتني فأنا مولاه۔(۱)

’’جو مؤمن بھی مال چھوڑ کر مرے گا اس کے وارث اس کے عصبہ (قریبی رشتہ دار) ہوں گے وہ جو کوئی بھی ہوں۔ اگر وہ اپنے ذمہ دین (قرض) یا بچے (جن کے پاس کچھ بھی نہ ہو) چھوڑ کر مرا تو وہ قرض اور یتیم بچے میرے ذمہ ہیں اور میں ہی ان کا والی ہوں (یعنی ان کی کفالت کروں گا اور ان پر مال خرچ کروں گا)۔‘‘

لو کان لي مثل أحد ذهباً لسرّني أن لا تمر عليّ ثلاث ليال وعندي منه شئ إلّا شيئا أرصده لدين۔(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب تفسير القرآن، باب النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ، ۴: ۱۷۹۵، رقم: ۴۵۰۳

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الفرائض، باب من ترک مالاً فلورثته، ۳: ۱۲۳۷، رقم: ۱۶۱۹

۳۔ ترمذي، السنن، کتاب الفرائض، باب ما جاء من ترک مالاً فلورثته، ۴: ۴۱۳، رقم: ۲۰۹۰

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، کتاب الرقاق، باب قول النبی: ما أحب أن لی مثل أحد ذهبا، ۵: ۲۳۶۸، رقم: ۶۰۸۰

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۴: ۲۶۰، رقم: ۶۳۵۰

۳۔ بيهقي، السنن الکبریٰ، ۴: ۸۲، رقم: ۷۰۲۱

''اگر میرے پاس اُحد پہاڑ جتنا سونا بھی ہوتا تو (ایسی صورت میں بھی) میرے لیے یہی بات باعثِ راحت ہوتی کہ میں تین راتیں گزرنے تک اسے راہِ خدا میں خرچ کر دوں اور اس مال میں سے اسی قدر بچا کر رکھتا جو قرض کی ادائیگی کیلئے ضروری ہوتا۔''

یہ امر ملحوظ رہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ تصور اُمت کو صرف بصورت تعلیم ہی نہیں دیا بلکہ اس کی عملی شکل اپنے نمونہ حیات سے مہیا فرما دی تھی۔ امام ترمذی کا روایت کردہ یہ واقعہ اس حقیقت کی توضیح کے لیے کافی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں ایک مرتبہ درہم کی صورت میں ہدیہ پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے انہیں چٹائی پر ڈال دیا اور تمام کی تمام رقم حاجت مندوں میں تقسیم فرما دی۔ بعد ازاں ایک ضرورت مند نے آ کر سوال کیا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما عندی شئ ولكن ابتع عليّ فإذا جاءنی شئ قضيته۔(۱)

''اس وقت میرے پاس کچھ نہیں بچا لیکن تو بازار سے میرے نام پر اپنی تمام ضرورتیں خرید لے۔ جب ہمارے پاس پیسے آ جائیں گے ہم اپنا اُدھار چکا دیں گے۔''

اس باب میں حکومت کی ذمہ داری کس قدر ہے اس تصور کی وضاحت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے بخوبی ہو جاتی ہے:

إنّ الله فرض على الأغنيآء في أموالهم بقدر ما يكفى فقراءهم۔(۲)

---

(۱) ترمذی، الشمائل المحمدية، ۱: ۲۹۴

(۲) ۱۔ سعيد بن منصور، السنن، ۵: ۱۰۹، رقم: ۹۳۱

۲۔ بيهقی، السنن الكبری، ۷: ۲۳، رقم: ۱۲۹۸۵

۳۔ ابن حزم، المحلی، ۶: ۱۵۸

’’اللہ تعالیٰ نے مال داروں پر ان کے سرمایہ دولت میں سے اس قدر انفاق فرض کیا ہے جس سے ان کے معاشرے کے ضرورت مندوں کی حاجات پوری ہوجائیں۔‘‘

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

لو استقبلت من أمری ما استدبرت لأخذت فضول أموال الأغنياء فقسمتها علی فقراء المهاجرين۔(۱)

’’جس بات کا مجھے اندازہ ہوا ہے اگر اس کا پہلے سے اندازہ ہوجاتا تو میں اس میں کبھی تاخیر نہ کرتا اور بلا شبہ ارباب ثروت کی فاضل دولت لے کر فقراء مہاجرین میں بانٹ دیتا۔‘‘

امام ابن حزم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احوال بیان کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔

وصحّ عن أبی عبيدة بن الجراح وثلثمائة من الصحابة (رضی اللہ عنہم) أن زادهم فنی فأمرهم أبو عبيدة فجمعوا أزوادهم في مزودين وجعل يقوتهم إيّاها علی السواء۔(۲)

’’حضرت ابوعبیدہ اور تین سو صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعلق یہ روایت صحت کو پہنچ چکی ہے کہ (ایک موقعہ پر) ان کا سامان خورد و نوش ختم کے قریب آ لگا۔ پس حضرت ابوعبیدہ (رضی اللہ عنہ) نے حکم دیا کہ جس جس کے پاس جس قدر موجود ہے وہ حاضر کرو اور پھر سب کو یکجا جمع کر کے ان سب میں برابر تقسیم کر کے سب کو قوت لا یموت کا سامان مہیا کر دیا۔‘‘

(۱) ۱۔ طبری، تاریخ الأمم والملوک، ۲: ۵۷۹
۲۔ ابن حزم، المحلی، ۶: ۱۵۸

(۲) ابن حزم، المحلی، ۶:۱۵۸

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ دولت کے اموال پر ان کے غریبوں کی معاشی حاجت کو بدرجہ کفایت پورا کرنا فرض کر دیا ہے۔ پس اگر وہ بھوکے ننگے یا معاشی مصائب میں مبتلا ہوں گے وہ محض اس لیے کہ اہلِ ثروت اپنا حق ادا نہیں کرتے اور ان کی معاشی کفالت نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن اس کی باز پرس کرے گا اور اس کوتاہی پر ان کو عذاب دے گا۔

یہ اور اسی قسم کی دوسری احادیث اور آیات قرآنی کو دلیل میں پیش کرتے ہوئے ابن حزم ظاہریؒ فرماتے ہیں:

فرض على الأغنياء من أهل كل بلد أن يقوموا بفقرائهم ويجبرهم السلطان على ذلک إن لم تقم الزكوات بهم ولا في سائر أموال المسلمين بهم فيقام لهم بما يأكلون من القوت الّذي لا بد منه ومن اللباس للشتاء والصيف بمثل ذلک وبمسكن يكنهم من المطر والصيف والشمس وعيون المارة۔[1]

’’اور ہر ایک بستی کے اربابِ دولت کا فرض ہے کہ وہ فقراء اور غرباء کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور اگر ان کی زکوٰۃ اور بیت المال کی آمدنی سے ان غرباء کی معاشی کفالت پوری نہ ہوتی ہو تو سلطان (حاکم وقت) ان اربابِ دولت کو اس کفالت کے لیے مجبور کر سکتا ہے (یعنی زندگی کے اسباب کے لیے کم از کم یہ انتظام ضروری ہے کہ) ان کی ضروری حاجت کے مطابق روٹی مہیا ہو، پہننے کے لیے گرمی اور سردی دونوں موسموں کے لحاظ سے لباس فراہم ہو اور رہنے کے لیے ایک ایسا مکان ہو جو ان کو بارش، گرمی، دھوپ اور راہ گیروں کی نظروں سے محفوظ رکھ سکے۔‘‘

(۱) ابن حزم، المحلی، ۶: ۱۵۶

کفالتِ عامہ کے تصور کی وضاحت امام حسن رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے خوب ہو جاتی ہے۔ جسے ولید بن دینارؒ روایت کرتے ہیں:

إنّه سئل عن الجار فقال: أربعين داراً أمامه وأربعين خلفه وأربعين عن يمينه وأربعين عن يساره۔(۱)

''ان سے سوال کیا گیا کہ پڑوسی سے کیا مراد ہے (جسے بھوکا نہ رہنے دینے کا حکم ہے) آپ نے فرمایا: چالیس گھر سامنے، چالیس گھر پیچھے، چالیس گھر دائیں اور چالیس گھر بائیں۔''

اس ارشاد سے ہر شخص کے لئے اس کی حسب استطاعت ''حیطہ کفالت'' کا تعین ہوتا ہے کہ اگر اس کے بالکل ساتھ والا پڑوسی حاجت مند نہیں ہے تو اس کی کفالت کی ذمہ داری ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اسے اس قدر دور تک ذمہ داری نبھانی چاہیے۔ اس تصور کی صراحت قرآن حکیم اور احادیث نبوی ﷺ سے بھی ہوتی ہے۔

ارشاد ربانی ہے کہ دوزخیوں سے سوال ہوگا:

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ○ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ○ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ○(۲)

''(اور کہیں گے:) تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی○ وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں نہ تھے○ اور ہم محتاجوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے○''

www.MinhajBooks.com

حضور نبی اکرم ﷺ نے مؤمنین کے اسی بھائی چارے کو ایک جسم کی مانند قرار

---

(۱) ۱۔ بخاری، الأدب المفرد: ۵۱، رقم: ۱۰۹
۲۔ سیوطي، الدر المنثور، ۲: ۵۲۹
۳۔ مزی، تهذيب الكمال، ۳۱: ۱۰، رقم: ۶۷۰۲

(۲) المدثر، ۷۴: ۴۲۔۴۴

دیتے ہوئے باہمی معاشرتی تعاون کی وضاحت یوں فرمائی:

ترى المؤمنين في تراحمهم وتوادّهم وتعاطفهم كمثل الجسد إذا اشتكى عضوًا تداعى له سائر جسده بالسّهر والحمّى۔(۱)

’’تم مؤمنین کو آپس میں مہربانی، شفقت اور لطف و کرم میں ایسے دیکھو گے جیسے کوئی جسم کہ جب اس میں کسی ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم (تکلیف میں مبتلا ہو کر) بے خوابی اور بخار کو دعوت دیتا ہے۔‘‘

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

المؤمن للمؤمن كالبنيان يشدّ بعضه بعضاً وشبّک أصابعه۔(۲)

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، ۵: ۲۲۳۸، رقم: ۵۶۶۵

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم، ۴: ۱۹۹۹، رقم: ۲۵۸۶

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۲۷۰، رقم: ۱۸۳۹۸

۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۴۶۹، رقم: ۲۳۳

۵۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۳: ۳۵۳، رقم: ۶۲۲۳

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الصلاة، باب تشبيك الأصابع في المسجد وغيره، ۱: ۱۸۲، رقم: ۴۶۷

۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب المظالم، باب نصر المظلوم، ۲: ۸۶۳، رقم: ۲۳۱۴

۳۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأداب، باب تعاون المؤمنين بعضهم بعضاً، ۵: ۲۲۴۲، رقم: ۵۶۸۰

۴۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم، ۴: ۱۹۹۹، رقم: ۲۵۸۵

’’ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے ایسے ہے کہ جیسے عمارت جس کا ایک حصہ دوسرے کو تقویت پہنچاتا ہے اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیاں آپس میں ملا لیں۔‘‘

یہ ارشادِ نبوی ﷺ بھی باہمی معاشرتی تعاون کی دلیل ہے:

لا يؤمن أحدكم حتّى يحب لأخيه ما يحب لنفسه۔(۱)

’’تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہ کچھ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔‘‘

۵۔ ترمذي، السنن، کتاب البر والصلة، باب ما جاء في شفقة المسلم على المسلم، ۴: ۳۲۵، رقم: ۱۹۲۸

۶۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۶: ۱۶۳، رقم: ۳۰۳۴۸

۷۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۴۰۴، رقم: ۱۹۶۲۴

۸۔ أبو يعلى، المسند، ۱۳: ۲۷۹، رقم: ۷۲۹۵

۹۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۴۶۷، رقم: ۲۳۱

۱۰۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۸۷

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، کتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، ۱: ۱۴، رقم: ۱۳

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الإيمان، باب الدليل على أن من خصال الإيمان أن يحب لأخيه المسلم ما يحب لنفسه من الخير، ۱: ۶۷، رقم: ۴۵

۳۔ ترمذي، السنن، کتاب صفة القيامة والرقائق والورع، باب منه، ۴: ۶۶۷، رقم: ۲۵۱۵

۴۔ نسائي، السنن، کتاب الإيمان وشرائعه، باب علامة الإيمان، ۸: ۱۱۵، رقم: ۵۰۱۶

۵۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۷۶، رقم: ۱۲۸۲۴

اس تصور کی مزید وضاحت حضور نبی اکرم ﷺ سے اس فرمان سے ہوتی ہے۔

ليس بالمؤمن الّذي يبيت شبعانا و جاره جائع إلی جنبه۔(۱)

’’وہ مومن نہیں جس نے خود تو شکم سیر ہو کر رات بسر کی اور اس کا ہمسایہ بھوکا رہا۔‘‘

vi. زائد مال کی تقسیم اور حکومت کی ذمہ داری

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَيَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا يُنفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ۔(۲)

’’اور آپ سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ فرما دیں جو ضرورت سے زائد ہے (خرچ کر دو)۔‘‘

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من كان معه فضل ظهر فليعد به علی من لا ظهر له، ومن كان له فضل من زاد فليعد به علی من لا زاد له، قال: فذكر من أصناف المال ما ذكر حتّی رأينا أنه لا حق لأحد منّا في فضل۔(۳)

---

(۱) ۱۔ حاكم، المستدرك، ۲: ۱۵، رقم: ۲۱۶۶
۲۔ ابن مبارك، الزهد: ۲۷۰، رقم: ۷۸۱
۳۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۳: ۲۴۳، ۲۴۴، رقم: ۳۸۷۵

(۲) البقره، ۲: ۲۱۹

(۳) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة بفضول المال، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۱۷۲۸
۲۔ أبو داؤد، السنن، كتاب الزكاة، باب في حقوق المال، ۲: ۱۲۵، رقم: ۱۶۶۳

’’تم میں سے جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہے وہ اس کو لوٹا دے جس کے پاس نہیں ہے۔ جس کے پاس ضرورت سے زائد سامان خورد و نوش ہے وہ اسے لوٹا دے جس کے پاس نہیں ہے۔ اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ مختلف اصنافِ مال کا ذکر فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ ضرورت سے زائد کسی بھی شے میں ہمارا حق نہیں رہا۔‘‘

اسی طرح قرآن مجید کی کئی آیات اور صحاح کی کئی احادیث اسی مفہوم کو بیان کرتی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِىْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ۔(۱)

’’پھر اگر ان میں سے ایک (گروہ) دوسرے پر زیادتی اور سرکشی کرے تو اس (گروہ) سے لڑو جو زیادتی کا مرتکب ہو رہا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔‘‘

حق سے منع کرنے والا باغی ہے کیونکہ اپنے بھائی کو حق سے محروم کر رہا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے ساتھ جنگ کی۔

جب حکومت کے پاس فوج کو جنگ کے لیے تیار کرنے، دفاع کے وسائل اور پبلک پر خرچ کرنے کے لیے خزانے میں پیسہ نہ ہو تو اس صورت میں حکومت کے لیے جائز ہے کہ وہ لوگوں کے اموال جو ان کے تصرف میں ہیں لے لے اور انہیں مطلوبہ ضروریات پر خرچ کر دے۔

------ ۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۲: ۲۳۸، رقم: ۵۴۱۹

۴۔ أبو عوانۃ، المسند، ۴: ۱۹۹۔۲۰۰، رقم: ۶۴۹۰

۵۔ بیھقی، السنن الکبری، ۴: ۱۸۲

(۱) الحجرات، ۴۹: ۹

امام غزالی (م ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں:

إذا خلت الأيدي من الأموال ولم يكن من مال المصالح ما يفي بخراجات العسكر ولو تفرق العسكر واشتغلوا بالكسب لخيف دخول الكفار بلاد الإسلام أو خيف ثوران الفتنة من أهل العرامنة في بلاد الإسلام فيجوز للإمام أن يوظف على الأغنياء مقدار كفاية الجند ثم إن رأى في طريق التوزيع التخصيص بالأراضي فلا حرج لأنا نعلم أنه إذا تعارض شرّان أو ضرران قصد الشرع دفع أشد الضررين وأعظم الشرين وما يؤديه كل واحد منهم قليل بالإضافة إلى ما يخاطر به من نفسه وماله لو خلت خطة الإسلام عن ذي شوكة يحفظ نظام الأمور ويقطع مادة الشرور۔(۱)

’’جب (فوج) کے ہاتھ اموال سے خالی ہو جائیں اور ملکی خزانے میں اتنا مال نہ ہو کہ جس سے فوج کے اخراجات برداشت کیے جا سکیں اور لشکر بھی منتشر ہو کر کسبِ رزق میں مشغول ہو جائے اور اس بات کا بھی ڈر ہو کہ اسلامی مملکت میں دشمن داخل ہو کر حملہ کر دے گا یا اہلِ شر کی طرف سے کسی فتنہ کے اٹھنے کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں حاکمِ وقت کے لئے جائز ہے کہ وہ اغنیاء پر لازم کر دے کہ وہ فوج کے اخراجات کی مقدار کے برابر اپنے مال قومی خزانے میں دے دیں پھر اگر وہ زمین کے لحاظ سے مخصوص تقسیم کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جب دو نقصان اکٹھے ہو جائیں تو شریعت ان دونوں نقصانات میں سے جو زیادہ بڑا نقصان ہوتا ہے اس کو دور کرتی ہے پس

(۱) غزالي، المستصفى، ۱: ۳۰۳، ۳۰۴

ایسے حالات میں اغنیاء سے مال لینا ان کے لئے خسارہ (نقصان) ہے لیکن وہ نقصان جو دشمن کی وجہ سے ملک کو پہنچے گا وہ اس نقصان سے بڑا ہے لہٰذا اس بڑے خسارے سے بچنے کے لئے اغنیاء سے مال لے کر افواج کے اخراجات کو پورا کیا جائے گا۔‘‘

امام شاطبی (م ۷۹۰ھ) فرماتے ہیں:

إنا إذا قررنا إمامًا مطاعًا مفتقرًا إلی تکثير الجنود لسد الثغور وحماية الملک المتسع الأقطار، وخلا بيت المال، وارتفعت حاجات الجند إلی ما لا يکفيهم، فللإمام إذا کان عدلًا أن يوظف علی الأغنياء ما يراه کافيًا لهم في الحال، إلی أن يظهر مال بيت المال۔

وإنما لم ينقل مثل هذا عن الأوّلين لاتسّاع مال بيت المال في زمانهم بخلاف زماننا، فإن القضية فيه أحری، ووجه المصلحة هنا ظاهر، فإنه لو لم يفعل الإمام ذلک النظام بطلب شوکة الإمام، وصارت ديارنا عرضة لاستيلاء الکفار وإنما نظام ذلک کله شوکة الإمام بعدله۔(۱)

’’جب ہم کسی ایسے حاکم کا انتخاب کرتے ہیں کہ جس کی اطاعت کی جائے اور وہ حاکم فتنوں کو ختم کرنے اور وسیع مملکت کی حفاظت کے لئے بہت زیادہ افواج کا محتاج ہو جبکہ بیت المال بھی خالی ہو جائے اور افواج کے اخراجات بڑھ جائیں تو ایسی حالت میں عادل حاکم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اغنیاء پر لازم کرے کہ وہ افواج کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے اپنے اموال دیتے

(۱) شاطبي، الاعتصام، ۲: ۱۲۱

رہیں جب تک کہ بیت المال میں کہیں سے مال نہ آ جائے۔

’’یہ بات اسلام کے اوائل زمانے میں نہیں کہی گئی کیونکہ ان کے زمانے میں بیت المال بڑا وسیع ہوتا تھا جبکہ ہمارے زمانے میں ایسا نہیں ہے بلکہ اب یہ مسئلہ زیادہ اہمیت کا حامل ہے اور اس میں مصلحت بھی واضح ہے۔ پس آج کے زمانہ میں اگر حاکم ایسا نہیں کرتا تو اس میں حاکم کی عظمت و شوکت بھی ختم ہو جاتی ہے اور ملک پر بھی کفار کا غلبہ ہو جاتا ہے اور یہ سارے کا سارا نظام حاکمِ وقت کی عظمت و شوکت پر انحصار کرتا ہے۔‘‘

بحرانوں میں قرض لینا بیت المال کی آمدنی میں شمار ہوتا ہے اور اگر آمدنی کے اسباب کمزور ہو جائیں تو ایسی صورتحال میں اغنیاء سے مال لینے کا حکم ضروری ہو جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان اپنے ہاتھوں کو ہمیشہ بھلائی اور خیر کے لئے کھولے رکھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَo(۱)

’’جو لوگ (اللہ کی راہ میں) شب و روز اپنے مال پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں تو ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور (روزِ قیامت) ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گےo‘‘

اسی طرح ارشاد ہوا:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌo(۲)

(۱) البقرہ، ۲: ۲۷۴

(۲) البقرہ، ۲: ۲۶۱

’’جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال (اس) دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اُگیں (اور پھر) ہر بالی میں سو دانے ہوں (یعنی سات سو گنا اجر پاتے ہیں) اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے (اس سے بھی) اضافہ فرما دیتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا خوب جاننے والا ہےo‘‘

سب سے اہم چیز جو اسلام چاہتا ہے وہ یہ کہ بھلائی کے کاموں پر مال خرچ کیا جائے اور مفادِ عامہ کے منصوبوں کے لیے مال وقف کیا جائے جیسا کہ متفق علیہ روایت ہے:

أصاب عمر أرضا بخيبر فأتى النّبيّ ﷺ فقال: أصبت أرضا لم أصب مالا قطّ أنفس منه فكيف تأمرني به قال: إن شئت حبّست أصلها وتصدّقت بها فتصدّق بها عمر أنّه لا يباع أصلها ولا يوهب ولا يورث في الفقراء والقربى والرّقاب وفي سبيل الله والضيف وابن السبيل.(۱)

’’حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خیبر میں کچھ زمین حاصل کی تو حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے خیبر میں زمین حاصل کی ہے، اس سے عمدہ مال میں نے کبھی حاصل نہیں کیا، اس بارے میں آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا: اگر چاہو تو اسکی اصل باقی رکھو اور (اس کی آمدنی) صدقہ کرو۔ راوی کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے صدقہ کر دیا

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الوصایا، باب الوقف کیف یکتب، ۳: ۱۰۱۹، رقم: ۲۶۲۰

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الوصیۃ، باب الوقف، ۳: ۱۲۵۵، رقم: ۱۶۳۳

۳۔ ترمذي، السنن، کتاب الأحکام عن رسول اللہ ﷺ، باب في الوقف، ۳: ۶۵۹، رقم: ۱۳۷۵

اس شرط پر کہ وہ نہ بیچی جائے، نہ ہبہ کی جائے اور نہ میراث بنائی جائے اور اسے فقیروں، رشتہ داروں، غلاموں، اللہ کی راہ میں اور مسافروں و مہمانوں کے حق میں صدقہ کر دیا۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ. أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ. أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ۔(۱)

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ سوائے تین چیزوں کے (ان کا اجر اسے برابر ملتا رہتا ہے) ایک وہ صدقہ جس کا نفع جاری رہے، دوسرا وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے تیسری وہ نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔‘‘

وہ مال جو بغیر کسی زیادتی اور خیانت کے جمع کیا جائے اور صاحبِ مال اس میں سے کچھ اپنی ذات اور کچھ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے، اس سے حکومت کا حق بھی ادا کرے اور اس میں سے پھر بھی اگر باقی بچ جائے اور پھر وہ شخص فوت ہو جائے تو اسلام

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، ۳: ۱۲۵۵، رقم: ۱۶۳۱

۲۔ بخاری، الأدب المفرد، ۱: ۲۸، رقم: ۳۸

۳۔ أبو داود، السنن، كتاب الوصايا، باب ما جاء فی الصدقة عن الميت، ۳: ۱۱۷، رقم: ۲۸۸۰

۴۔ ابن ماجه، السنن، المقدمة، باب ثواب معلم الناس الخير، ۱: ۸۸، رقم: ۲۳۹

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

ایسے باقی ماندہ مال کو اسکے ورثاء میں تقسیم کر دیتا ہے اور اس میں زیادہ حصہ فوت ہونے والے شخص کے اعزا و اقارب پر خرچ کیا جاتا ہے۔ اس طرح مال خواہ کتنا ہی زیادہ ہو مختلف لوگوں کے مابین تقسیم ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص اس حال میں فوت ہوتا ہے کہ اسکا کوئی وارث نہیں تو ایسی صورتحال میں اس کا مال حکومت کے بیت المال میں چلا جاتا ہے اور ویلفیئر کے کاموں میں خرچ کر دیا جاتا ہے جس طرح کہ عام مال خرچ کر دیا جاتا ہے۔

vii. اسلامی ریاست میں باہمی معاشی تعاون

اسلام نے لوگوں کی معاشی حالت پر بڑی توجہ دی ہے اور ان کے مال و دولت ضائع ہونے اور فضول خرچ ہونے سے حفاظت کی ہے۔ اسی لیے اسے بے جا کاموں میں استعمال کرنے سے منع کیا ہے۔ لہٰذا حکومت پر واجب ہے کہ وہ ارتکازِ دولت کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کرے اور ان کے جمع شدہ اموال کو ان کے معقول منافع کے ساتھ پبلک کے درمیان تقسیم کر دے۔

اسی طرح حکومت کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو اموال میں تصرف کرنے سے منع کرے جو پاگل، کم عقل اور بے وقوف ہوں اور اسراف و تبذیر کے مرتکب ہوں اوران پر ممانعت اس وقت تک ہو جب تک ان کے پاگل پن اور بے وقوفی کے اثرات زائل نہیں ہو جاتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللهُ لَكُمْ قِيٰمًا۔(۱)

’’اور تم بے سمجھوں کو اپنے (یا ان کے) مال سپرد نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہاری معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔‘‘

۱۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۱) النساء، ۴: ۵

إنّ الأشعريين إذا أرملوا في الغزو، أو قل طعام عيالهم بالمدينة جمعوا ما كان عندهم في ثوب واحد ثم اقتسموه بينهم في إناء واحد بالسوية فهم مني و أنا منهم۔(۱)

’’جب دورانِ جنگ اشعریوں کا کھانا ختم ہو جاتا یا ان کے خاندان کا کھانا کم پڑ جاتا ہے تو جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے وہ اسے ایک کپڑے میں جمع کرتے ہیں، پھر اسے ایک برتن کے ذریعے آپس میں برابر برابر تقسیم کر لیتے ہیں، وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔‘‘

۲۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إذا أنزل الله بقوم عذابًا، أصاب العذاب من كان فيهم، ثم بعثوا على أعمالهم۔(۲)

’’جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے تو عذاب ہر اس شخص کو پہنچتا ہے جو اس قوم میں سے ہوتا ہے، پھر ان کو ان کے اعمال کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔‘‘

۶۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الشرکۃ، باب الشرکۃ فی الطعام، ۲: ۸۸۰، رقم: ۲۳۵۴

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل الأشعریین، ۴: ۱۹۴۴، رقم: ۲۵۰۰

۳۔ نسائي، السنن الکبری، ۵: ۲۴۷، رقم: ۸۷۹۸

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب الفتن، باب إذا أنزل اللہ بقوم عذابا، ۶: ۲۶۰۲، رقم: ۶۶۹۱

من مات وعليه صيام صام عنه وليّه۔(۱)

’’جو شخص فوت ہو جائے درآنحالیکہ اس پر روزہ فرض تھا تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے۔‘‘

۷۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: حضور نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ میرے پاس سے گزرے (اور اس وقت) میں یہ کہہ رہا تھا کہ اے اللہ! مجھ پر رحم فرما۔ پس حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھ کر فرمایا:

أعمّ ولا تخص فإنّ بين الخصوص والعموم كما بين السماء والأرض۔(۲)

’’اس دعا کو عام کرو (یعنی فقط اپنے لئے رحم طلب نہ کرو بلکہ دوسروں کو بھی اس میں شامل کرو) خاص نہ کرو کیونکہ خاص اور عام میں اتنا ہی فرق ہے جتنا زمین اور آسمان کے مابین ہے۔‘‘

عوام کی معاشی ضروریات کی تکمیل کی ذمہ داری حکومت وقت پر کس حد تک عائد ہوتی ہے اس کا اندازہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ سے ہوتا ہے جو آپ نے قادسیہ کی فتح کی خوشخبری سنانے کے بعد ارشاد فرمایا:

إنّي حريص على أن لا أرى حاجة إلّا سددتها ما اتسع بعضنا لبعض فإذا عجز ذلک عنّا تاسينا في عيشنا حتّى نستوى في الكفاف. ولوددت أنّكم علمتم من نفسي مثل الّذي وقع فيها لكم. ولست معلمكم إلّا بالعمل إنّي والله لست بملک فاستعبدكم ولكني عبد الله عرض علي الإمانة فإن أبيتها ورددتها

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب الصيام، باب قضاء الصيام، ۲: ۸۰۳، رقم: ۱۱۴۷

(۲) ہندی، كنز العمال، ۲: ۵۸، رقم: ۲۳۵۹

عليكم واتّبعتكم حتّى تشبعوا في بيوتكم وترووا سعدت بكم وإن أنا حملتها واستتبعتكم إلى بيتي شقيت بكم ففرحت قليلا وحزنت طويلا. فبقيت لا أقال ولا أرد فأستعتب۔[1]

’’مجھے اسی بات کی بڑی فکر رہتی ہے کہ جہاں بھی (تمہاری) کوئی ضرورت دیکھوں اسے پورا کروں۔ جب تک ہم میں سے بعض اسے بعض کے لئے پورا کرنے کی گنجائش رکھتے ہوں۔ جب ہمارے اندر اتنی گنجائش نہ رہ جائے تو ہم باہمی امداد کے ذریعے گزر اوقات کریں گے یہاں تک کہ سب کا معیار زندگی ایک سا ہو جائے۔ کاش تم جان سکتے کہ میرے دل میں تمہارا کتنا خیال ہے۔ لیکن میں یہ بات تمہیں عمل کے ذریعے ہی سمجھا سکتا ہوں۔ خدا کی قسم میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو اپنا غلام بنا کر رکھوں بلکہ خدا کا بندہ ہوں (خلافت حکومت کی) امانت میرے سپرد کی گئی ہے۔اب اگر میں اس کو اپنی ذاتی ملکیت نہ سمجھوں بلکہ (تمہاری امانت سمجھ کر) تمہاری طرف واپس کردوں اور (تمہاری خدمت و ادائے حقوق کے لئے) تمہارے پیچھے پیچھے چلوں یہاں تک کہ تم اپنے گھروں میں سیر ہوکر کھا پی سکو تو میں تمہارے ذریعے فلاح پاؤں گا۔ اور اگر میں اسے اپنا بنالوں اور تمہیں اپنے پیچھے پیچھے چلنے اور (اپنے حقوق طلب کرنے کے لئے) اپنے گھر آنے پر مجبور کردوں تو تمہارے ذریعہ میرا انجام خراب ہوگا۔ (دنیا میں) کچھ عرصے خوشی منا لوں گا مگر (آخرت میں) عرصہ دراز تک غمگین رہوں گا اور میرا حال یہ ہوگا کہ نہ کوئی مجھے کچھ کہنے والا ہوگا اور نہ کوئی میری بات کا جواب دے گا کہ میں اپنا عذر بیان کر کے معافی حاصل کرسکوں۔‘‘

اسلام کے عطا کردہ نظام معیشت میں کفالت عامہ اور امداد باہمی کی ذمہ

(۱) ابن كثير، البداية والنهاية، ۷: ۴۶

داریاں ہیں۔ یعنی وہ جن کا تعلق انفرادی سطح پر اور اجتماعی سطح پر حکومتی ذمہ داریوں سے ہے۔

viii. اِجتماعی سطح پر کفالت عامہ

اسلام نے نہ صرف انفرادی سطح پر کفالت عامہ کی تلقین اور حوصلہ افزائی کی بلکہ اجتماعی سطح پر بھی اسے ایک نظام کے طور پر متعارف کروایا۔ جس کی عملی تفسیر سیرتِ نبوی ﷺ میں مواخاتِ مدینہ کی صورت میں ملتی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہوئے اور اسلامی سلطنت کا سنگ بنیاد رکھا تو سب سے پہلے جو مسئلہ درپیش تھا وہ مہاجر گھرانوں کی رہائش و خوراک کا تھا۔ کیونکہ مہاجرین اپنی ہر نوع کی منقولہ و غیر منقولہ جائیدادیں مکہ میں چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر کے آئے تھے۔

ریاست مدینہ کی نوزائیدہ اسلامی حکومت کے پاس اس قدر وسائل نہیں تھے کہ ان مہاجرین کی آبادکاری، رہائش اور دیگر ضروریات کا انتظام کیا جاتا۔ آپ ﷺ نے مہاجرین کو ان کے حال پر چھوڑنے کی بجائے اہلِ مدینہ جو بعد میں انصار کہلائے مہاجرین کے درمیان رشتہ مواخات قائم فرما کر اس مسئلہ کو نہ صرف مستقل طور پر حل کر دیا بلکہ ایک اسلامی ریاست میں اجتماعی سطح پر کفالت عامہ کا تصور بھی عملاً واضح کر دیا۔ مہاجرین و انصار کے اس تعلق کو قرآن حکیم نے یوں بیان کیا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ۔[1]

’’بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے (اللہ کے لئے) وطن چھوڑ دیئے اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی اور (ان کی) مدد کی وہی لوگ ایک دوسرے کے وارث

(۱) الانفال، ۸: ۷۲

ہیں۔‘‘

انصار زراعت پیشہ اور زمینوں و باغات کے مالک تھے۔ اپنے ذاتی اثاثوں سے قدرتی محبت کے باوجود انہوں نے مہاجرین کو اپنے آثاثوں کی پیش کش کی:

اقسم بيننا وبين إخواننا النّخيل۔(۱)

’’(یا رسول اللہ!) آپ ہمارے اور مہاجر بھائیوں کے درمیان کھجور کے باغات تقسیم فرما دیں۔‘‘

الغرض حضور نبی اکرم ﷺ نے مہاجرین کی خوراک، روزگار، رہائش اور آباد کاری کا یوں ہنگامی طور پر انتظام فرمایا۔ انصار میں جن کے ایک سے زیادہ مکانات تھے انہوں نے وہ مہاجرین کو دے دیئے۔

باہمی معاشی تعاون کے باب میں افرادِ معاشرہ ایک دوسرے سے کس نوعیت کے تعلق میں منسلک ہیں، حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الخلق عيال الله۔(۲)

’’تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔‘‘

رِزق کی فراہمی کی یہ ذمہ داری جو ربِ ذوالجلال نے اپنے ذمہ کرم پر لی۔ اسلامی ریاست کے اندر نیابتِ الٰہی میں اسلامی حکومت کی طرف سے انجام دی جائے گی۔

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب المزارعة، باب إذا قال اكفني مئونة النخل وغيره، ۲: ۸۱۹، رقم: ۲۲۰۰

۲۔ أبو يعلى، المسند، ۱۱: ۲۰۲، رقم: ۶۳۱۰

(۲) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۵: ۳۶۵، رقم: ۵۵۴۲

۲۔ أبو يعلى، المسند، ۶: ۶۵، رقم: ۳۳۱۵

۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۸: ۱۹۱

قرآن و حدیث کی انہی تعلیمات کا اثر تھا کہ خلفائے راشدین نے اپنے دور خلافت میں اس ذمہ داری کا کمال احساس رکھا اور اسے پورا کرنے کیلئے مصروف کار رہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لو مات جمل ضیاعًا علی شط الفرات لخشیت أن یسألني اللہ عنه۔[1]

''اگر ساحل فرات پر کوئی اونٹ مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ مجھ سے اس کے بارے میں باز پرس کرے گا۔''

اور دوسری روایت میں ہے:

لو ماتت شاۃ علی شط الفرات ضائعة لظننت أنّ اللہ تعالی سائلني عنها یوم القیامة۔[2]

''اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری بھی بے سہارا ہونے کی وجہ سے مر جائے تو میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھ سے جواب طلبی فرمائے گا۔''

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے انتقال پر کچھ فقہا آپ کی اہلیہ کے پاس ان کی تعزیت کے لئے آئے۔ ان کے سامنے آپ کے اہلیہ نے بیان کیا:

واللہ ما کان بأکثرهم صلوۃ ولا صیامًا ولکن واللہ، ما رأیت عبد اللہ کان أشدّ خوف للہ من عمر. کان رحمه اللہ قد فرغ بدنه ونفسه للنّاس فکان یقعد لحوائجهم یومه فإذا أمسی. وعلیه بقیة

(۱) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳: ۳۰۵

(۲) ۱۔ أبو نعیم، حلیة الأولیاء، ۱: ۵۳

۲۔ ابن جوزی، سیرۃ عمر بن الخطاب: ۱۶۱

من حوائجهم وصله بليلة. فأمسى يومًا وقد فرغ من حوائجهم فدعا بمصباح قد كان يستصبح به من ماله ثم صلى ركعتين ثم أقعى واضعا يده تحت ذقنه تسيل دموعه على خده فلم يذل كذلك حتّى برق الفجر فاصبح صائما فقلت له: يا أمير المومنين! لشيئ ما كان منک ما رأيت الليلة، قال: اجل، إنّي قد وجدتني وليت أمر هذه الأمّة أسودها وأحمرها فذكرت الغريب القانع الضائع' والفقيرا المحتاج، والاسير المقهور وأشياعهم فى أطراف الأرض فعلمت أن الله تعالى سائلنى عنهم وأن محمد ﷺ حجيجى فيهم فخفت أن لا يثبت لى عند الله عذر، ولا يقوم لى مع محمد ﷺ حجة فخفت على نفسى، ووالله إن كان عمر ليكون فى المكان الّذى ينتهى إليه سرور الرجل مع أهله فيذكر لشيئ من أمر الله فيضطرب كما يضطرب العصفور قد وقع فى الماء، ثم يرتفع بكاء ه، حتّى أطرح اللحاف عني وعنه رحمة له ثم قالت: والله لوددت لو كان بيننا وبين هذه الإمارة بعده ما بين المشرقين۔ (۱)

''(فقہاء کی جماعت کے پوچھنے پر آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت فاطمہ نے آپ کے حالات کو اس طرح بیان فرمایا:) بخدا وہ تم میں سے کسی سے بھی زیادہ نمازیں پڑھنے والے اور روزے رکھنے والے نہیں تھے لیکن اللہ کی قسم میں نے کسی بندہ خدا کو عمر بن عبدالعزیز سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا نہیں دیکھا۔ انہوں نے اپنے جسم اور ذات کو لوگوں کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ وہ دن بھر

(۱) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۱۷، ۱۸

لوگوں کی حاجات کے لئے بیٹھے رہتے اگر دن گزر جاتا اور ابھی لوگوں کے کام باقی رہ جاتے تو وہ رات میں بھی لگے رہتے۔ ایک دن یوں ہوا کہ لوگوں کی حاجات سے دن ہی دن میں فارغ ہو گئے تو شام کو ایک چراغ منگوایا جسے وہ اپنے ذاتی تیل سے جلاتے تھے پھر انہوں نے دو رکعت نماز نفل ادا کی اور اپنا ہاتھ اپنی ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر اس حال میں سیدھے بیٹھے رہے کہ آنسوؤں کی لڑیاں رخساروں پر بہتی رہیں اور ساری رات یوں ہی بیٹھے روتے رہے۔ حتیٰ کہ سپیدہ سحر نمودار ہوا تو انہوں نے روزے کی نیت کر لی میں نے پوچھا: امیر المومنین آپ کس وجہ سے یوں بیٹھے روتے رہے؟ انہوں نے کہا ہاں میرا حال یہ ہے کہ میں تمام اُمتِ مسلمہ کے سرخ و سفید کا والی بنایا گیا ہوں۔ مجھے ملک کے دور دراز علاقوں میں رہنے والے مساکین، فقراء، محتاج قیدیوں اور ان جیسے مظلوم و مقہور لوگوں کی یاد آئی تو مجھے خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے بارے میں مجھ سے سوال کرے گا اور حضور نبی اکرم ﷺ ان کے معاملے میں مجھ سے ضرور جھگڑا فرمانے والے ہوں گے تو میں اس بات سے ڈرتا تھا کہ اس وقت اللہ کے سامنے کوئی عذر نہ چل سکے گا اور نہ حضور ﷺ کے سامنے میں کوئی حجت پیش کر سکوں گا۔ یہ سوچ کر میں ڈر گیا اور رونے لگ گیا۔ (اس کے بعد ان کی اہلیہ نے کہا:) اللہ کی قسم! حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ بعض اوقات اپنے گھر میں ہوتے جس میں عام آدمی اپنے اہل خانہ کے ساتھ خوشی محسوس کرتا ہے اور اس دوران انہیں اللہ کی پیشی یاد آ جاتی تو وہ مضطرب ہو جاتے جس طرح چڑیا مضطرب ہوتی ہے جسے پانی میں گرا دیا گیا ہو۔ پھر اتنی بلند آواز سے آہ و بکا کرتے کہ میں ان پر رحم کرتے ہوئے اپنے سے اور ان سے لحاف ہٹا دیتی۔ پھر فاطمہ نے کہا: اللہ کی قسم میں اس وقت چاہتی کہ کاش ہمارے درمیان اور اس خلافت و امارت کے درمیان

زمین و آسمان کی دوری ہوتی۔‘‘

رعیت کی ذمہ داری کا یہی وہ احساس تھا کہ خلفائے راشدین کے دور میں خلفاء اور عوام کے مابین کوئی دیوار کھڑی نہ کی گئی کہ رعایا کو اپنے کسی حق کی طلب میں کسی رکاوٹ کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں والی کوفہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے رہنے کے لئے ایک محل بنوایا اور اس میں پھاٹک لگوایا تو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محمد بن مسلم کو بھیج کر اسے آگ لگوا دی۔(۱)

حضور نبی اکرم ﷺ نے مسلم حکمرانوں کے کردار کو اس طرح بیان فرمایا:

۱۔ **من ولاه اللہ عزوجل شيئا من أمور المسلمين فاحتجب دون حاجتهم وخلّتهم وفقرهم احتجب اللہ تعالٰی عنه دون حاجته وخلّته وفقره۔**(۲)

’’جسے اللہ عز و جل نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا اور وہ ان کی ضروریات اور فقر سے بے پرواہ ہوکر بیٹھ رہا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضروریات اور فقر سے بے نیاز ہوجائے گا۔‘‘

اس حدیث پاک میں ’’فقر‘‘ غذا، لباس، مکان اور علاج جیسی بنیادی ضرورتوں کا احاطہ کرتا ہے جبکہ ’’حاجۃ‘‘ میں زندگی کی دیگر بنیادی ضروریات آ گئی ہیں۔ ایک اور حدیث مبارکہ میں فرمایا:

۲۔ **ما من إمام يغلق بابه دون ذوی الحاجة والخلّة والمسكنة إلّا**

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۵۴

(۲) ۱۔ أبوداود، السنن، کتاب الخراج والإمارة والفيء، باب فيما يلزم الإمام من أمر الرعية والحجبة عنه، ۳: ۱۳۵، رقم: ۲۹۴۸

۲۔ طبرانی، المعجم الکبير، ۲۲: ۳۳۱، رقم: ۸۳۲

أغلق اللہ أبو اب السّماء دو ن خلّته و حاجته و مسكنته۔(۱)

’’جو امام ضرورت مندوں، فقراء اور مساکین پر اپنے دروازے بند کرلیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت، غربت اور محتاجی کے وقت اُس پر آسمانوں کے دروازے بند کر دیتا ہے۔‘‘

۳۔ ألا كلّكم راع و كلّكم مسؤل عن رعيته فالإمام الّذي على النّاس راع وهو مسؤل عن رعيته۔(۲)

’’آگاہ رہو تم میں سے ہر ایک آدمی نگران ہے اور (روز قیامت) اس سے اس کی رعیت (ماتحت لوگوں) کے بارے میں باز پرس کی جائے گی تو (اس طرح) لوگوں پر امیر یا حکمران بھی ایک نگران ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔‘‘

۴۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ امارت (حکومت) کا سوال کیا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أنت ضعيف وهي أمانة وهي يوم القيامة خزی وندامة إلّا من

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الأحکام عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء في إمام الرعية، ۳: ۶۱۹، رقم: ۱۳۳۲

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۲۳۱، رقم: ۱۸۰۶۲

۳۔ حاکم، المستدرك على الصحيحين، ۴: ۱۰۶، رقم: ۷۰۲۸

۴۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۳: ۱۲۴، رقم: ۳۳۴۱

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، کتاب الأحکام، باب قول اللہ تعالیٰ: وأطيعوا اللہ وأطيعوا الرسول وأولی الأمر منكم، ۶: ۲۶۱۱، رقم: ۶۷۱۹

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الإمارة، باب فضيلة الإمام العادل وعقوبة الجائر والحث على الرفق، ۳: ۱۴۵۹، رقم: ۱۸۲۹

أخذها بحقّها و أدّی ما علیه فیها۔[1]

”اے ابو ذر! تو کمزور ہے اور یہ (امارت و حکومت) ایک بہت بڑی امانت اور بروز قیامت (امیر کیلئے) رسوائی اور ندامت کا باعث ہے۔ البتہ (اس شخص کیلئے رسوائی نہیں ہوگی) جس نے اس کو اس کے حق کے ساتھ اختیار کیا اور امارت و حکومت میں جو ذمہ داری اس پر عائد ہوتی تھی اس کو صحیح معنوں میں ادا کیا۔“

یعنی شریعتِ اسلامیہ میں امارت و سیادت کے منصب پر فائز شخصیت اپنی رعیت کی کفالت سے بری الذمہ کسی صورت بھی قرار نہیں دی جا سکتی۔ خلافت کی تعریف کرتے ہوئے حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

عن سلمان قال: إنّ الخلیفة هو الّذي یقضي بکتاب الله ویشفق علی الرّعیة شفقة الرّجل علی أهله فقال کعب الأحبار: صدق۔[2]

”حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خلیفہ وہ ہے جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرے اور رعایا پر اس طرح شفقت کرے جس طرح آدمی اپنے اہل و عیال پر شفقت کرتا ہے۔ یہ سن کر کعب الاحبار نے کہا: سلیمان نے سچ کہا“

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ کی روشنی میں ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

”والی حکومت رعایا کا ایسا راعی ہے جس طرح گڈریا بکریوں کی رکھوالی کرتا ہے۔“[3]

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) ۱۔ أبو یوسف، کتاب الخراج: ۹
۲۔ أبو عبید، کتاب الأموال: ۱۱

(۲) أبو عبید، کتاب الأموال: ۱۳، رقم: ۱۲

(۳) ابن تیمیة، السیاسة الشریعة فی إصلاح الراعی والرعیة: ۱۷

۵۔ ما من أمير يلي أمر المسلمين ثم لا يجهد لهم وينصح إلّا لم يدخل معهم الجنّة۔[۱]

’’جو آدمی مسلمانوں کے معاملے (حکومت) کا نگران بنے پھر ان کی بہتری کے لئے کوشش کرے اور نہ ہی ان کی خیر خواہی کرے تو وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہوگا۔‘‘

۶۔ ما من عبد استرعاه اللہ رعيّة فلم يحطها بنصيحة إلّا لم يجد رائحة الجنّة۔[۲]

’’جس بندے کو رب ذوالجلال نے کسی رعایا کا حکمران بنایا۔ پھر اس نے اس کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ برتی تو وہ (حکمران) جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔‘‘

۷۔ ما من عبد يسترعيه اللہ رعيّة يموت يوم يموت وهو غاشّ لرعيّته إلّا حرّم اللہ عليه الجنّة۔[۳]

’’جس بندے کو رب ذوالجلال نے کسی رعایا کا حکمران بنایا تو وہ اس حال میں

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب استحقاق الوالي الغاش لرعيته النّار، ۱: ۱۲۶، رقم: ۱۴۲

۲۔ أبو عوانه، المسند، ۱: ۴۰، رقم: ۸۹

۳۔ بيهقي، السنن الكبریٰ، ۹: ۴۱، رقم: ۱۷۶۷۹

۴۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۰: ۲۲۵، رقم: ۵۲۴

(۲) بخاری، الصحيح، كتاب الأحكام، باب من استرعى رعية فلم ينصح، ۶: ۲۶۱۴، رقم: ۶۷۳۱

(۳) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب استحقاق الوالي الغاش لرعيته النّار، ۱: ۱۲۵، رقم: ۱۴۲

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۰: ۳۴۶، رقم: ۴۴۹۵

۳۔ دارمی، السنن، ۲: ۴۱۷، رقم: ۲۷۹۶

مرتا ہے کہ قوم کا خیرخواہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے۔‘‘

منصف اور عادل حکمران کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۸۔ إنّ المقسطين عند الله تعالىٰ على منابر من نور عن يمين الرّحمٰن ﷻ وكلتا يديه يمين الّذين يعدلون في حكمهم وأهليهم وما ولّوا۔(۱)

’’بے شک انصاف کرنے والے (حکام و امراء) اللہ تعالیٰ کے پاس نور کے منبروں پر اس کے داہنے ہاتھ پر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلہ میں اپنے لوگوں میں اور اپنے زیرِ حکومت اُمور میں عادل ہیں۔‘‘

۹۔ السلطان ولي من لا ولي له۔(۲)

’’حکمران (یا حکومت) ہر اس آدمی کا سرپرست ہے جس کا کوئی سرپرست نہ ہو۔‘‘

یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہے کہ یہ اسلامی ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإمارة، باب فضيلة الإمام العادل وعقوبة الجائر والحث على الرفق، ۳: ۱۴۵۸، رقم: ۱۸۲۷
۲۔ نسائی، السنن، كتاب القضاء، ۳: ۴۶۰، رقم: ۵۳۷۹
۳۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۷: ۳۹، رقم: ۳۴۰۳۵

(۲) ۱۔ ترمذی، السنن، كتاب النكاح عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء لا نكاح إلّا بولي، ۳: ۴۰۷، رقم: ۱۱۰۲
۲۔ أبو داؤد، السنن، كتاب النكاح، باب في الولي، ۲: ۲۲۹، رقم: ۲۰۸۳
۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۹: ۳۸۶، رقم: ۴۰۷۵
۴۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۱۸۲، رقم: ۲۷۰۶

وہ محروم المعیشت افراد کے معاشی استحکام اور ان کی کفالت کا اہتمام کرے اور اس کے لئے جملہ ذرائع بروئے کار لائے جائیں بقول امام ابن حزم:

’’ہر ملک کے مال دار لوگوں پر فرض ہے کہ اپنے غریب لوگوں کی کفالت کرے اگر زکوٰۃ کی آمدنی اور سارے مسلمانوں کی فیئ اس کے لئے کافی نہ ہو تو سلطان ان کو ایسا کرنے پر مجبور کرے گا ان (اہل حاجت) کے لئے اتنے مال کا انتظام کیا جائے گا جس سے وہ بقدر ضرورت غذا حاصل کرسکیں۔ اور اس طرح جاڑے اور گرمی کا لباس اور ایک ایسا مکان جو انہیں بارش، گرمی، دھوپ اور راہ گیروں کی نظروں سے محفوظ رکھ سکے۔‘‘(۱)

امام جصاص سورۂ یوسف کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قصّ اللہ تعالیٰ علینا من قصة یوسف وحفظه للأطعمة في سنی الجدب وقسمته علی النّاس بقدر الحاجة دلالة علی أن علی الائمة في کل عصر أن یفعلوا مثل ذلک إذا خافوا ھلاک النّاس من القحط۔(۲)

’’اللہ تعالیٰ نے ہمیں حضرت یوسف علیہ السلام کا جو قصہ سنایا ہے اور ان کے بارے میں قحط کے زمانے میں غذائی اشیاء کو محفوظ کر کے انسانوں میں بقدر ضرورت تقسیم کرنے کا جو واقعہ نقل کیا ہے وہ اس بات پر دلیل ہے کہ ہر زمانہ میں حکمرانوں پر یہ واجب ہے کہ جب ان کو اندیشہ ہو کہ قحط کے سبب عوام ہلاک ہو جائیں گے تو ایسا ہی طریقہ اختیار کریں۔‘‘

بحیثیت سربراہِ مملکت اسی احساس ذمہ داری کا مظاہرہ ہمیں خلفائے راشدین

---

(۱) ابن حزم، المحلی، ٦: ١٥٦

(۲) جصاص، أحکام القرآن، ۳: ١٧٦

کے ہاں ملتا ہے۔ جنہوں نے اپنی سرکاری و حکومتی حیثیت کو ہمیشہ ایک امانت کی حیثیت دی اور عملاً بھی اس کا مظاہرہ کیا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بوقت وصال پوچھا ''مجھے خلیفہ ہونے سے اب تک بیت المال سے کتنا وظیفہ ملا ہے۔ حساب کر کے بتایا گیا کہ چھ ہزار درہم آپ نے حکم دیا کہ میری فلاں زمین فروخت کر کے یہ روپیہ بیت المال میں جمع کروا دیا جائے۔ پھر فرمایا کہ اس دوران میرے مال میں کس قدر اضافہ ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ:

۱۔ ایک حبشی غلام جو بچوں کو کھلاتا ہے اور ساتھ ہی مسلمانوں کی تلواروں پر صیقل کرتا ہے۔

۲۔ ایک اونٹنی جس پر پانی لایا جاتا ہے۔

۳۔ ایک چادر جو چند درہم مالیت کی تھی۔

آپ نے حکم فرمایا کہ میری وفات کے بعد یہ تینوں چیزیں خلیفہ وقت کی خدمت میں بھیج دی جائیں۔ جب اس حکم کی تعمیل میں یہ چیزیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچیں تو وہ رو پڑے اور کہنے لگے ابوبکر ''لقد اتعب من بعده۔'' آپ اپنے جانشینوں کے لئے کام بہت دشوار کر گئے ہیں۔''(۱)

یہی عمل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تھا۔ بطور امیر المومنین اپنی سرکاری حیثیت کا تعارف آپ نے یوں کروایا:

ألا اخبرکم بما استحل من مال اللہ؟ حلتین: حلة الشتاء والقیظ وما أحج علیه واعتمر من الظهر وقوت أهلی کرجل من قریش لیس بأغناهم ولا بأفقرهم ثم أنا رجل من المسلمین یصیبنی ما یصیبهم.(۲)

---

(۱) ابن سعد، الطبقات الکبری، ۳: ۱۹۲۔۱۹۳

(۲) أبو عبید، کتاب الأموال: ۲۴۹، رقم: ۶۶۱

’’کیا میں تمہیں بتا نہ دوں کہ اللہ کے مال (بیت المال) میں سے میرے لئے کیا حلال (جائز) ہے؟ میرے لئے بیت المال میں سے دو جوڑے کپڑے ایک سردی کیلئے اور ایک گرمی کے لئے حج وعمرہ کے لئے ایک سواری اور ایک متوسط درجہ کے قریشی آدمی کے معیار کے مطابق اپنے اہل وعیال کی گزر بسر کے لئے خرچ حلال ہے۔ اس کے بعد بیت المال میں سے جو عام آدمی کو ملے، وہی مجھے ملے گا۔‘‘

عامۃ الناس کی کفالت کا آپ رضی اللہ عنہ کو کس حد تک احساس تھا اس کا اندازہ آپ رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے ہوتا ہے:

لئن بقیت لیبلغن الراعی بصنعاء نصیبه من هذا الفیٔ۔[(۱)]

’’اگر میں زندہ رہا تو اس مالِ فے میں سے (ہر مسلمان حتیٰ کہ) صنعاء (یمن) میں بسنے والے چرواہے کو بھی اس کا حصہ حق پہنچے گا (یعنی لوگوں کو اپنے حقوق کے لئے سرکاری عمال کے پیچھے نہیں بھاگنا پڑے گا)۔‘‘

ایک موقع پر آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

أما واللّٰه، لئن بقیت لأرامل أهل العراق لأدعنهم لا یفتقرون إلی أمیر بعدي۔[(۲)]

’’بخدا اگر میں زندہ رہا تو اہلِ عراق کی بیوگان کو اتنا خوشحال کر دوں گا کہ میرے بعد کسی امیر کی محتاج نہ رہیں گی۔‘‘

ایک موقع پر خطبے میں ارشاد فرمایا:

---

(۱) أبو یوسف، کتاب الخراج: ۲۵
(۲) أبو یوسف، کتاب الخراج: ۴۰

أيّها النّاس إنّ الله قد كلّفني أن أصرف عنه الدّعاء۔ (۱)

’’لوگو! اللہ نے مجھ پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ میں اس کے حضور جانے والی دعاؤں کو کم کروں (یعنی لوگوں کی معاشی مشکلات کو کم کروں)۔‘‘

ایک موقع پر فرمایا:

ومن أراد أن يسأل الله عن المال فليأتني فإنّ الله جعلني خازنا وقاسما۔ (۲)

’’اور جو مال مانگنا چاہے وہ میرے پاس آئے کیونکہ اللہ نے مجھے اپنے مال کا خزانچی اور تقسیم کنندہ بنایا ہے۔‘‘

اسی نوعیت کا طرزِ معیشت حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی نظر آتا ہے۔ ہارون ابن عنترہ نے اپنے باپ سے آپ کے بارے میں روایت کی ہے:

’’میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ جاڑے کا موسم تھا اور ان کے بدن پر صرف ایک پھٹا پرانا قطیفہ (مخملی لبادہ) تھا جس میں آپ رضی اللہ عنہ تھر تھر کانپ رہے تھے۔ میں نے عرض کیا: امیر المومنین اللہ نے آپ اور آپ کے گھر والوں کے لئے اس حال میں کچھ حق مقرر کیا ہے اور آپ اپنے ساتھ یہ برتاؤ کر رہے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إنّي والله، ما أرزأكم شيئا، وما هي إلّا قطيفتي الّتي أخرجتها من المدينة۔ (۳)

www.MinhajBooks.com

(۱) عز الدين السلمي، قواعد الأحكام في مصالح الأنام: ۱۳۳

(۲) ۱۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۶: ۴۵۷، رقم: ۳۲۸۹۶
۲۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۶: ۲۱۰
۳۔ قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۱۸: ۲۰

(۳) أبو عبيدة، كتاب الأموال: ۲۵۱، رقم: ۶۷۱

’’واللہ میں تمہارا کوئی نقصان نہیں کروں گا۔ یہ میرا وہی قطیفہ ہے جسے میں مدینہ سے لایا تھا۔‘‘

ایسا نہیں تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے اور اپنے گھر والوں کے ساتھ یہ برتاؤ کرتے وقت اس حقیقت سے نا آشنا رہے ہوں کہ دین اس سے بہت زیادہ کی اجازت دیتا ہے۔ وہ یہ ضروری نہیں قرار دیتا کہ اپنے آپ کو ہر طرح کی آسائش سے محروم رکھ کر روکھے سوکھے اور موٹے جھوٹے پر قناعت کرتے ہوئے ایک زاہدانہ زندگی گزار دی جائے۔ وہ جانتے تھے کہ اس وقت بھی مسلمانوں کے ایک عام فرد کی حیثیت سے بیت المال سے ان کا حصہ اس سے کئی گنا زیادہ تھا جو وہ لے رہے تھے۔ نیز یہ بھی کہ بحیثیت ایک حاکم کے جو عوام کی خدمت کے لئے وقف ہو ان کا حصہ اس سے کہیں زیادہ تھا۔ وہ چاہتے تو اتنا لے سکتے تھے۔ جتنا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعض ممالک کے والیوں کے لئے مقرر کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا والی بنایا تو ان کے اور ان کے معاونین کے لئے چھ سو درہم ماہانہ مقرر کئے۔ عام افراد کی طرح جو عطاء ان کے حصہ میں آتی تھی وہ علیحدہ تھی۔ نیز روزانہ آدھی بکری اور آدھی بوری آٹا دیا جاتا تھا۔ اس طرح آپ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں لوگوں کی تعلیم اور بیت المال کی نگرانی پر مامور کیا تو سو درہم ماہانہ اور چوتھائی بکری روزانہ مقرر کیا۔ عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے لئے اس سالانہ عطا کے علاوہ جو پانچ ہزار درہم کے بقدر تھی چوتھائی بکری روزانہ اور ڈیڑھ سو درہم ماہانہ مقرر کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ جو کچھ کیا وہ ان باتوں سے ناواقف نہیں تھے۔ دراصل وہ اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے تھے کہ حاکم نمونہ بنتا ہے اور اس پر شک کی بھی بہت گنجائش ہوتی ہے۔ چونکہ خزانہ عام ان کے تحت ہوتا ہے لہٰذا اس پر اس میں خرد برد کا شبہ کیا جاسکتا ہے۔ وہ اپنے والیوں اور اپنے عام رعایا کے لئے احتیاط و پرہیزگاری کا نمونہ بنتا ہے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے نفس کو ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے طریقوں کا پابند بنایا۔ جو

لوگ اللہ کے دین میں رسول اللہ کے نائب مقرر ہوتے تھے ان کے لئے یہ اونچا معیار ہی موزوں تھا۔

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں جو مالیاتی پالیسی اختیار کی اسے آپ رضی اللہ عنہ نے بیعتِ خلافت کے بعد اپنے خطبہ میں یوں بیان فرمایا:

إلا أن أكون عليكم ألا وإنه ليس لي أمر دونكم إلا أن مفاتيح مالكم معي ألا وإنه ليس لي أن آخذ منه درهمًا دونكم رضيتم.(۱)

''لوگو! میں صرف ایک شرط پر تمہارا خلیفہ بنوں گا کہ تمہارے خزانوں کی چابیاں اگرچہ میرے قبضہ میں ہوں گی لیکن میں تمہاری رضامندی کے بغیر اس میں سے ایک درہم بھی نہ لوں گا۔''

آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عطا کردہ زمینوں، جاگیروں اور انعام واکرام کے طور پر دیئے گئے مال کو بیت المال میں واپس لائے اس موقع پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

والله لو وجدته قد تزوجه به النساء، وتملك به الإماء، لرددته، فإن في العدل سعة، ومن ضاق عليه العدل، فالجور عليه أضيق.(۲)

''خدا کی قسم! اگر میں کسی مال کو اس حالت میں پاتا کہ اس کے ذریعے عورتوں سے شادی کی جا چکی ہے، لونڈیاں خریدی جا چکی ہیں (یا اس مال کو مختلف ملکوں میں پھیلایا جا چکا ہے) تو بھی میں اسے واپس لاتا کیونکہ عدل میں بڑی وسعت ہے اور جس کے لئے حق تنگ ثابت ہو اس کے لئے ظلم و جور اور زیادہ تنگ ہوتا ہے۔''

(۱) طبري، تاريخ الأمم والملوك، ۲: ۶۹۷

(۲) شرف الدين رضى، نهج البلاغه (خطبات سيدنا علي المرتضى رضی اللہ عنہ): ۵۲

(۲) معاشی کفالت کا دائرہ کار

ایک اسلامی ریاست میں ان تمام بنیادی لوازمات کی فراہمی ریاست کی ذمہ داری ہے جن پر زندگی کے قیام و استحکام کا انصار ہے۔ ان بنیادی ضروریات زندگی کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ حقِ خوراک	۲۔ حقِ لباس
۳۔ حقِ رہائش	۴۔ حقِ ذریعہ معاش (روزگار)

i. حقِ خوراک کی فراہمی

حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم ایک مرتبہ شروع دن میں حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ کچھ لوگ ننگے پاؤں اور ننگے جسم دھاری دار چادریں پہنے اور تلواریں لٹکائے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ لوگ قبیلہ مضر سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے اس فقر و فاقہ اور خستہ حالی کو دیکھ کر آپ ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا پریشانی میں آپ ﷺ کبھی اندر تشریف لے جاتے اور کبھی باہر تشریف لے آتے۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا۔ نماز کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا خطبے میں آپ ﷺ نے سورہ نساء کی ابتدائی آیت کریمہ تلاوت کی:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ۝[1]

”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہاری پیدائش (کی ابتداء) ایک جان سے کی پھر اسی سے اس کا جوڑ پیدا فرمایا پھر ان دونوں میں سے بکثرت مردوں

(۱) النساء، ۴: ۱

اور عورتوں (کی تخلیق) کو پھیلا دیا، اور ڈرو اس اللہ سے جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابتوں (میں بھی تقویٰ اختیار کرو)، بیشک اللہ تم پر نگہبان ہےo‘‘

اور سورہ الحشر کی آیت - ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾[(۱)] ’’اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کو دیکھتے رہنا چاہئے کہ اس نے کل (قیامت) کے لئے آگے کیا بھیجا ہے۔‘‘ - پڑھ کر لوگوں کو اپنے غریب، مفلس اور حاجت مند بھائیوں پر صدقے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہر آدمی کو چاہیے کہ اس کے پاس ایک ہی دینار ہو، ایک ہی درہم ہو، ایک ہی کپڑا ہو ایک ہی صاع گندم ہو یا ایک صاع کھجور ہو، اس میں سے صدقہ کرے۔ حتیٰ کہ اگر اس کے پاس ایک کھجور ہے تو کھجور کے ٹکڑے سے بھی اپنے بھائیوں کی مدد کرے آپ کا فرمان تھا کہ لوگ گھروں کو دوڑ کر گئے اور دھڑا دھڑ حسب توفیق چیزیں لانے لگے۔ راوی کا بیان ہے کہ تھوڑی ہی دیر میں ہر طرف کھانے اور کپڑے کے ڈھیر لگ گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس جذبہ ہمدردی کو دیکھ کر آپ ﷺ کو اتنی مسرت ہوئی کہ:

رأیت وجه رسول الله ﷺ یتهلّل کأنّه مذهبة۔[(۲)]

’’میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ انور خوشی سے یوں کھل اٹھا گویا کہ وہ چمکتا ہوا سونے کا ایک ٹکڑا ہے۔‘‘

---

(۱) الحشر، ۵۹: ۱۸

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاة، باب الحث علی الصدقة ولو بشق تمرة، ۲: ۷۰۵، رقم: ۱۰۱۷

۲۔ نسائی، السنن الکبری، ۲: ۳۹، رقم: ۲۳۳۳۵

۳۔ ابن أبی شیبه، المصنف، ۲: ۳۵۰، رقم: ۹۸۰۳

۴۔ بیهقی، السنن الکبری، ۴: ۱۷۵، رقم: ۷۵۳۰

۵۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲: ۳۲۸، رقم: ۲۳۷۲

حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ فقر و فاقہ اور سخت بھوک نے مجھے اور میرے دو ساتھیوں کو آ لیا، حتیٰ کہ بھوک کی شدت کی وجہ سے ہماری آنکھوں میں اندھیرا ہونے لگا۔ جب اور کوئی سبیل نظر نہ آئی تو ہم نے سوچا کہ اصحاب رسول ﷺ کے پاس چلتے ہیں۔ مگر وہاں بھی افلاس نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی بھی ہمیں اپنے پاس ٹھہرانے کے لئے تیار نہ ہوا۔ اب ہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نبی اکرم ﷺ ہمیں اپنے گھر لے گئے اور فرمایا کہ یہ چار بکریاں ہیں ان کا دودھ پیو اور ہمیں بھی پلاتے رہو۔ ہم کئی روز تک حضور کے مہمان رہے ہمارا معمول یہ تھا کہ بکریوں کے دودھ کے چار حصے کرتے ایک حصہ حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے بھر کر رکھ دیتے اور باقی اپنے اپنے حصے کا پی کر سو جاتے۔ (۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن مجھے بھوک نے ستایا تو میں مجبوراً گھر سے مسجد نبوی ﷺ کی طرف نکل پڑا راستے میں چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ملاقات ہوئی تو وہ تعجب سے پوچھنے لگے ابوہریرہ! اس وقت کدھر کا قصد ہے؟ میں نے انہیں بتایا کہ مجھے اس وقت بھوک نے گھر سے نکلنے پر مجبور کر دیا ہے وہ کہنے لگے بخدا ہمارا بھی یہی معاملہ ہے۔ ہمیں بھی بھوک ہی نے گھروں سے نکالا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سب مل کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے پوچھا اس وقت تم سب کیسے آئے؟ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس وقت بھوک ہمیں آپ کے پاس لائی ہے۔ آپ ﷺ کے چہرہ اقدس پر ناگواری کا کوئی تاثر نظر نہیں آیا۔ بلکہ آپ ﷺ نے فوراً کھجوروں کا ایک طبق منگایا اور ہر آدمی کو دو دو کھجوریں عنایت فرماتے ہوئے فرمایا یہ کھا لو اور اوپر سے پانی پی لو یہ آج تمہارے لئے کافی ہوں گی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک کھجور کھا لی اور دوسری بچا کر اپنی گود میں رکھ لی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے پوچھا ابوہریرہ تم نے یہ کھجور کیوں بچا رکھی ہے؟ میں نے عرض کیا:

(۱) ابن كثير، البداية والنهاية، ۵: ۳۳۸

اپنی والدہ کے لئے۔ فرمایا: تم کھاؤ تمہاری والدہ کے لئے ہم مزید دو کھجوریں دے دیں گے۔ چنانچہ وہ کھجوریں میں نے کھالیں اور والدہ کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے مزید دو کھجوریں دے دیں۔[۱]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لكثرة من يغشاه وأضيافه وقوم يلزمونه لذالک فلا يأكل طعاما أبدا إلّا معه أصحابه وأهل الحاجة يتتبعون من المسجد۔[۲]

’’کثرت سے آپ ﷺ کے ہاں آنے والے مہمانوں اور مفلس لوگوں کی وجہ سے جو کھانے کے لئے آپ ﷺ کے ساتھ چمٹے رہتے تھے (آپ کے ہاں فاقہ کی کیفیت رہتی) آپ ﷺ جب بھی کھانا تناول فرماتے تو آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور وہ اہلِ حاجت بھی شریک ہو جاتے جو مسجد سے آپ کے پیچھے آ جاتے۔‘‘

ابو بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اسلام لانے سے قبل ایک رات حضور نبی اکرم ﷺ کے ہاں مہمان ٹھہرا۔ آپ ﷺ نے اسی بکری کا دودھ دوہ کر مجھے پلایا جس کا دودھ گھر والوں کو ملا کرتا تھا آپ ﷺ کے گھر والے کہنے لگے کہ آج رات بھی اسی طرح بھوکے گزار لیں گے جس طرح کل رات بھوکے گزاری تھی۔ آپ ﷺ کا یہ بلند اخلاق اور کمال ایثار دیکھ کر صبح ہوتے ہی ابوبصرہ دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔[۳]

یعنی ضرورت مندوں کی کفالت کے لئے نہ صرف آپ ﷺ خود بلکہ پورا

---

(۱) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الكبرىٰ، ۴: ۳۲۹
۲۔ ذهبی، سير أعلام النبلاء، ۲: ۵۹۲

(۲) ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۱: ۴۰۹

(۳) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۳۹۷، رقم: ۲۷۲۶۹
۲۔ هيثمی، مجمع الزوائد، ۵: ۳۱

خانوادۂ نبوت اکثر اوقات فاقہ کشی کرتے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

كان رسول الله ﷺ يبيت الليالی المتتابعة طاويًا وأهله لا يجدون عشاء و كان أكثر خبزهم خبز الشعير۔[(۱)]

’’رسول اللہ ﷺ اور آپ کے گھر والے کئی کئی راتیں متواتر بھوکے گزارتے کیونکہ رات کا کھانا میسر نہ ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں جب بھی روٹی میسر ہوتی تو اکثر جو کی روٹی ہوتی۔‘‘

حقِ خوراک کی فراہمی کا اہتمام نہ صرف آپ ﷺ کی انفرادی زندگی میں بکثرت نظر آتا ہے بلکہ قومی زندگی میں بھی قوانین کے نفاذ کے وقت آپ ﷺ نے اس حق کی کما حقہ ادائیگی کو ملحوظ رکھا اور جہاں کہیں اس اساسی حق کی وجہ سے شرعی قوانین کے نفاذ کا معاملہ درپیش ہوا تو آپ ﷺ نے اولاً لوگوں کو حقِ معاش کی فراہمی کو ترجیح دی۔ حضرت عباد بن شرحبیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ قحط نے مجھے آ لیا تو ایک روز میں مدینے کے ایک باغ میں داخل ہو گیا اور ایک خوشہ توڑ کر پہلے خود کھایا اور پھر کچھ (اپنے اہلِ خانہ کے لئے) اپنے کپڑے میں ڈال لیا۔ اتنے میں باغ کا مالک آ گیا۔ اس نے ایک تو میری پٹائی کی اور پھر وہ پھل جو میں نے کپڑے میں باندھ رکھے تھے اپنے قبضے میں لے لئے اور مجھے اس حالت میں لیکر حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں آ گیا۔ آپ ﷺ نے سارا واقعہ سننے کے بعد مجھے کوئی سزا دینے کی بجائے اسے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، كتاب الزهد عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في معيشة النبي وأهله، ۴: ۵۸۰، رقم: ۲۳۶۰

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الأطعمة، باب خبز الشعير، ۲: ۱۱۱۱، رقم: ۳۳۴۷

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۵۵، رقم: ۲۳۰۳

’’جب یہ بیچارہ جاہل تھا تو تو نے اسے تعلیم کیوں نہ دی۔ جب یہ بیچارہ بھوکا تھا تو اسے کھانے کو کیوں نہ دیا۔ پھر اسے حکم دیا کہ اس کا کپڑا اسے واپس کر دو چنانچہ اس نے مجھے کپڑا واپس کردیا اور آپ کے حکم سے مجھے وسق (ایک اونٹ کا بوجھ) یا نصف وسق غلہ بھی دیا۔‘‘(۱)

آپ ﷺ نے نہ صرف شرعی قوانین کے نفاذ میں لوگوں کے معاشی مسائل کو مستحضر رکھا بلکہ عبادات میں بھی معاشی تنگی کا لحاظ رکھا۔ جس سے اسلام کی عطا کردہ نظریہ حیات میں انسان کی بنیادی ضروریات کی فراہمی کی اہمیت اُجاگر ہوتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! میں ہلاک ہوگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا ہوا؟ اس نے عرض کیا:

’’میں رمضان المبارک کے روزے میں اپنی بیوی سے جماع کر بیٹھا ہوں‘‘

آپ ﷺ نے فرمایا: تیرے پاس اتنا مال ہے جس سے کفارہ میں ایک غلام آزاد کرسکے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو دو مہینے کے روزے رکھ سکتا ہے؟ اس نے عرض کیا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلا سکتا ہے؟ اس نے عرض کیا: نہیں۔ فرمایا پھر بیٹھ جا۔ اتنے میں کھجوروں کا ایک ٹوکرا کسی نے لاکر خدمتِ نبوی ﷺ میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: یہ ٹوکرا لے جا اور اسے فقراء پر صدقہ کر دے۔

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الجهاد، باب في ابن السبیل یأکل من التمر، ۳: ۳۹، رقم: ۲۶۲۰

۲۔ نسائی، السنن، کتاب آداب القضاة، باب الاستعداد، ۸: ۲۴۰، رقم: ۵۴۰۹

۳۔ ابن ماجه، السنن، کتاب التجارات، باب من مر علی ماشیة قوم أو حائط هل یصیب منه، ۲: ۷۷۰، رقم: ۲۲۹۸

اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس وادی میں ہم سے بڑھ کر ضرورت مند گھر کوئی نہیں۔ اس کی یہ بات سن کر آپ ﷺ ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ کے سامنے کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ پھر فرمایا: جا اپنے اہلِ خانہ کو ہی یہ کھجوریں دے دے۔‘‘(۱)

حضور نبی اکرم ﷺ اور مہاجرین جب مدینہ منورہ ہجرت کر کے آئے تو اس وقت جو مسائل درپیش تھے ان میں سے ایک پانی کا مسئلہ بھی تھا۔ پورے گھر میں رومہ کے کنویں کے علاوہ کہیں پانی نہ تھا۔ مگر اس کنویں کا مالک ایک یہودی تھا اور اس نے لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اسے ذریعہ معاش بنایا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے مخیّر حضرات کو مسلمانوں کے لئے اس کی خریداری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ جو آدمی اس کنویں کو خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دے اللہ تعالیٰ اسے جنت میں اس سے کہیں بہتر کنواں عطا کرے گا۔

یہ سعادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو میسر آئی کہ آپ وہ کنواں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کرنے پر تیار ہو گئے مگر کنویں کا مالک نصف حصہ فروخت کرنے پر آمادہ ہوا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بارہ ہزار درہم کے عوض نصف کنواں خرید لیا اور یہ شرط طے پائی کہ ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی باری ہوگی اور دوسرے دن یہودی کی۔ اس طرح جس دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی باری ہوتی اس روز مسلمان اس قدر پانی بھر کر رکھ لیتے کہ دو دن تک کے لئے وہ پانی کافی ہوتا جب یہودی نے دیکھا کہ اس طرح خاطر خواہ نفع حاصل نہیں ہو رہا تو وہ بقیہ نصف بھی فروخت کرنے پر تیار ہو گیا۔ اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے باقی

(۱) ۱۔ أبوداود، السنن، کتاب الصوم، باب کفارة من أتی أهله في رمضان، ۲: ۳۱۳، رقم: ۲۳۹۰
۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب التبسم والضحک، ۵: ۲۲۶۰، رقم: ۵۷۳۷
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۰۸، رقم: ۶۹۴۴

نصف بھی آٹھ ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔(۱)

یہی عمل ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفائے راشدین کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنی رعایا کی خدمت اور ان کی ضروریات کا کس قدر خیال تھا اس کا اندازہ اس سے ملتا ہے کہ مدینہ کے اطراف میں ایک نابینا بڑھیا تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ روزانہ علی الصبح اس کے جھونپڑے میں جا کر اس کے لئے پانی اور دیگر ضروری خدمات انجام دیتے تھے۔ کچھ عرصے بعد آپ کو محسوس ہوا کہ کوئی شخص ان سے بھی پہلے آ کر یہ کام کر جاتا تھا ایک روز تحقیق کی غرض سے آپ کچھ رات گزرنے کے بعد وہاں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ خلیفۂ اول یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس ضعیفہ کی خدمت گزاری سے فارغ ہو کر اس کے جھونپڑے سے نکل رہے تھے۔ آپ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر بولے:

''اے خلیفہ رسول! قسم ہے کیا آپ ہی روزانہ یہ کام کر جاتے تھے۔''(۲)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اس بات کا سخت اہتمام کر رکھا تھا کہ ممالک محروسہ میں کوئی شخص فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہو۔ ملک میں جس قدر اپاہج، ازکار رفتہ یا مفلوج ہوں، ان کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کر دی جائیں۔ لاکھوں سے متجاوز آدمی ایسے تھے جن کو گھر بیٹھے خوراک ملتی تھی۔ پہلے آپ نے یہ انتظام شروع کیا کہ ایک جریب (تقریباً ۲۵ سیر) آٹا پکایا جائے جسے ۳۰ آدمیوں نے کھایا۔ اس طرح دونوں وقت کے لئے یہ مقدار کافی ٹھہری تو فرمایا کہ ایک آدمی کو مہینے بھر کی خوراک کے لئے دو جریب آٹا کافی ہے پھر آپ نے حکم دیا کہ ہر شخص کے لئے اس قدر آٹا مقرر کیا جائے آپ اعلانِ عام کے لئے منبر پر تشریف لائے اور پیمانہ ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کے لیے اس قدر خوراک مقرر کردی ہے جو شخص اس کو

(۱) ۱۔ ابن عبد البر، الاستیعاب، ۳: ۱۰۳۹
۲۔ حلبی، السیرۃ الحلبیۃ، ۲: ۲۶۸

(۲) ہندی، کنز العمال، ۱۲: ۴۹۰، رقم: ۳۵۶۰۷

گھٹائے گا اس کو خدا سمجھے گا۔[۱]

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے پیمانے ہاتھ میں لیکر فرمایا:

إنّي قد فرضت لكلّ نفس مسلمة في كل شهر مدى حنطة وقسطى زيت وقسطى خل فقال رجل: والعبد قال نعم والعبد۔[۲]

''میں نے ہر مسلمان کے لئے فی ماہ دو مد گیہوں اور دو قسط سرکہ مقرر کیا۔ اس پر ایک شخص نے کہا: کیا غلام کے لئے بھی؟ فرمایا ہاں غلام کے لئے بھی۔''

اس طرح آپ نے یہ حکم بلا تخصیص مذہب جاری کیا۔ آپ نے بیت المال کے عامل کو ہدایت لکھی کہ رب ذوالجلال کے فرمان ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينَ﴾ میں فقراء سے مسلمان اور مساکین سے اہلِ کتاب مراد ہیں۔[۳]

مملکت کے عام شہریوں کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اقدامات کا یہ عالم تھا کہ امام سیوطیؒ نے ابن سعد رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے:

اتّخذ عمر دار الرقيق فجعل فيها الدقيق والسويق والتمر والزبيب وما يحتاج إليه يعين به المنقطع وانضيف بعمر ووضع عمر في طريق السبل بين مكة والمدينة ما يصلح من ينقطع به۔[۴]

www.MinhajBooks.com

(۱) بلاذری، فتوح البلدان: ۴۷۶

(۲) ۱۔ بلاذری، فتوح البلدان: ۴۷۶

۲۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱۸: ۱۷۱

(۳) أبو یوسف، کتاب الخراج: ۱۳۶

(۴) ابن سعد، الطبقات الکبری، ۳: ۲۸۳

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک سٹور یا لنگر خانہ بنوایا جس میں آٹا، جو، کھجور، پنیر اور دیگر ضروریات کی چیزیں رکھوائیں۔ جس سے آپ مسافروں اور بھولے بھٹکوں کی امداد فرمایا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے درمیان راستے میں سرائیں بنوائیں جہاں مسافر آ کر آرام کرتے تھے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اولادِ لقطہ یعنی گمنام بچوں کی کفالت کا بھی اہتمام فرمایا۔ آپ نے ان بچوں کے لئے یہ انتظام کیا کہ جہاں (شاہراہ وغیرہ پر) اس قسم کا کوئی بچہ ملے اس کو دودھ پلانے اور دیگر مصارف کا انتظام بیت المال سے کیا۔ چنانچہ ان مصارف کے لئے اوّل ۱۰۰ درہم سالانہ مقرر ہوئے تھے۔ جنہیں ان کا ولی بیت المال سے وصول کر لیتا تھا۔ (۱)

۱۸ھ میں مدینہ اور اطراف و اکناف میں مشہور قحط پڑا جس کی وجہ سے اس سال کا نام تاریخِ اسلام میں عام الرمادہ پڑ گیا۔ اسلامی ریاست کے لئے یہ ایک آزمائش کا موقع تھا۔ اس موقع پر جس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کمال احساس ذمہ داری سے عامۃ الناس کی مشکلات دور کرنے کے لئے تگ و دو کی، وہ مسلمان حکمرانوں کے لئے ہمیشہ ایک نمونہ رہے گی۔ آپ ﷺ نے مدینہ میں غذائی اجناس کی عام تقسیم کی اور سرکاری طور پر ہزاروں افراد کے لئے کھانا پکوا کر دونوں وقت کھلانے کا انتظام کیا۔ دوسرے علاقوں اور مصر و شام سے غلہ، آٹا، چربی، تیل اور دوسری اشیائے ضرورت منگوائیں۔ ہزاروں کی تعداد میں مویشی اور اونٹ باہر سے منگوا کر ذبح کروائے اور پورے قحط زدہ علاقے میں اعلان کر دیا کہ باہر سے آنے والے ان سرکاری قافلوں سے ضرورت کے مطابق چیزیں لے لیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے قحط کا مقابلہ جنگی بنیادوں پر کیا اور شخصی طور پر تمام انتظامات کی نگرانی کی اور اس حد تک ہر انتظام کو انجام دیا کہ لوگ کہہ رہے تھے:

لو لم یرفع اللہ المحل عام الرمادۃ لظننا أنّ عمر یموت همًّا بأمر

(۱) بلاذری، فتوح البلدان: ۴۶۷

المسلمین۔[۱]

’’اگر اللہ عام الرمادہ میں قحط دور نہ کرتا تو ہمیں اندیشہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے اس مسئلہ میں فکر کرتے کرتے فوت ہو جاتے۔‘‘

اس قحط کے سال میں ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے ہاتھ میں لاٹھی لئے ہوئے گشت کر رہے تھے کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا جو بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: اے بندہ خدا! دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ اس نے جواب دیا: ’’اے بندہ خدا! وہ مشغول ہے‘‘ آپ آگے بڑھ گئے جب دوبارہ گزرے تو پھر وہی فرمایا اور اس شخص نے وہی جواب دیا۔ جب تین بار اس شخص نے یہی جواب دیا تو آپ نے پوچھا کہ تیرا دایاں ہاتھ کس کام میں مشغول ہے؟ اس نے جواب دیا کہ موتہ کی لڑائی میں کام آ گیا۔ یہ سن کر آپ رونے لگے اور پاس بیٹھ کر اس سے پوچھنے لگے کہ تمہیں وضو کون کرواتا ہے؟ تمہارا سر کون دھوتا ہے؟ کپڑے کون دھوتا ہے اور فلاں فلاں کام کون کرتا ہے؟ پھر آپ نے اس کے لئے ایک ملازم لگوایا اسے ایک سواری دلوائی اور دوسرے سامان ضرورت بھی دلوائے۔[۲]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لئن عشت إن شاء الله لأسيرَن في الرعية حولا فإنّى أعلم أنّ للنّاس حوائج تقطع عنى، أما هم فلا يصلون إليّ وأما عمالهم فلا يرفعونها إليّ فأسير إلي الشام فأقيم بها عشرين ثم أسير إلى مصر فأقيم بها شهرين ثم أسير إلى البحرين فأقيم بها شهرين ثم أسير إلى الكوفة فأقيم بها شهرين ثم أسير إلى

(۱) ابن سعد، الطبقات الكبرىٰ، ۳: ۳۱۵

(۲) أبو يوسف، كتاب الآثار، ۱: ۲۰۸، رقم: ۹۲۷

البصرة فأقيم بها شهرين۔ (۱)

''انشاء اللہ اگر میں زندہ رہا تو میں پورا سال عوام کے درمیان دورے کروں گا۔ میں جانتا ہوں کہ لوگوں کی بہت سی حاجات ہیں جو صرف میں ہی پوری کرسکتا ہوں، پس وہ یا تو مجھ تک پہنچ نہیں سکتے یا ان کے عمال انہیں میرے پاس پہنچنے نہیں دیتے۔ پس میں شام کے دورے پر جاؤں گا اور وہاں بیس دن قیام کروں گا، پھر میں مصر کا دورہ کروں گا اور وہاں دو ماہ قیام کروں گا، پھر میں بحرین کا دورہ کروں گا اور وہاں دو ماہ قیام کروں گا، پھر میں کوفہ کا دورہ کروں گا اور وہاں دو ماہ قیام کروں گا، پھر میں بصرہ کا دورہ کروں گا اور وہاں دو ماہ قیام کروں گا۔''

ان تمام تر اہتمامات کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رعایا کے احوال کی فکر دامن گیر رہتی۔ آپ اکثر فرماتے کہ عمال رعایا کی پرواہ نہیں کرتے اور ہر شخص مجھ تک پہنچ نہیں سکتا۔ اس بنا پر آپ نے ارادہ فرمایا تھا کہ شام، جزیرہ، کوفہ، مصر، بحرین اور بصرہ کا دورہ کریں۔ ہر جگہ ۲،۲ ماہ ٹھہریں اور رعایا کی بذاتِ خود خبرگیری کریں مگر موت نے آپ کو اس کی مہلت نہ دی۔

ii. حقِ لباس

ارشادِ ربانی ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ (۲)

''اے اولادِ آدم! بیشک ہم نے تمہارے لئے (ایسا) لباس اُتارا ہے جو تمہاری

(۱) ابن جوزی، مناقب عمر بن خطاب: ۱۲۱

(۲) الاعراف، ۷: ۲۶

شرمگاہوں کو چھپائے اور (تمہیں) زینت بخشے اور (اس ظاہری لباس کے ساتھ ایک باطنی لباس بھی اُتارا ہے اور وہی) تقویٰ کا لباس ہی بہتر ہے۔ یہ (ظاہر و باطن کے لباس سب) اللہ کی نشانیاں ہیں تاکہ وہ نصیحت قبول کریںo۔‘‘

یعنی لباس کی فراہمی بھی بنیادی ضروریاتِ زندگی میں شامل ہے۔ سیرت نبوی ﷺ سے متعدد ایسی مثالیں سامنے آتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ضرورت مندوں کو لباس کی فراہمی کا اہتمام بھی فرمایا اگرچہ آپ ﷺ کو اس حوالے سے خود تکلیف کا سامنا کرنا پڑا:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

بينا رسول الله ﷺ جالس إذ أتاه صبي فقال: أنّ أمّي تستكسيک درعًا فقال: من ساعة إلى ساعة يظهر فعد إلينا فذهب إلى أمّه فقالت: قل له إن أمّى تستكسيک الدرع الّذى عليک فدخل ﷺ داره ونزع قميصه و أعطاه وقعد عريانًا وأذن بلال وانتظرفلم يخرج إلى الصّلاة۔(۱)

ایک خاتون نے اپنا لڑکا آپ ﷺ کی بارگاہ میں بھیجا اور درخواست کی کہ آپ ﷺ اسے قمیض عطا کردیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت نہیں پھر کسی وقت آجانا لڑکا واپس گیا تو اس کی ماں نے کہا کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے کہو اگر اور قمیض نہیں تو آپ کے جسم پر تو ہے۔ آپ ﷺ گھر تشریف لے گئے اور قمیض اتار کر لڑکے کے حوالے کر دی۔ اب مزید کوئی کپڑا نہ ہونے کے سبب آپ ﷺ گھر میں ہی بیٹھے رہے حتیٰ کہ نماز کے لیے بھی آپ ﷺ باہر تشریف نہ لاسکے۔ صحابہ کو تشویش ہوئی جب

(۱) آلوسی، روح المعانی، ۱۵:۶۵

تحقیق کی تو اصل صورت حال معلوم ہوئی۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ:

۱۔ عورت کا آپ ﷺ سے قمیض کا تقاضا کرنا اس امر کا اظہار ہے کہ اسلامی معاشرے کے ایک عام فرد کو بھی اس حقیقت کا علم تھا کہ کفالت عامہ کی ذمہ داری سربراہ مملکت پر ہے۔

۲۔ آپ ﷺ نے کوئی دوسرا لباس نہ ہونے کے باوجود اپنا کرتا مبارک عورت کے حوالے کر کے مسلمان سربراہ مملکت کے لئے ایک عملی مثال قائم فرما دی کہ رعایا کی خبر گیری اور ان کی بنیادی ضروریات کی کفالت کے لئے سربراہ مملکت کو کس حد تک اہتمام کرنا چاہیے۔

حضرت ابو حداد رضی اللہ عنہ ایک غریب صحابی تھے انہوں نے ایک یہودی سرمایہ دار سے قرض لیا ہوا تھا اور ان کی غربت کا یہ عالم تھا کہ ان کے پاس تن ڈھانپنے کے کپڑوں کے سوا کچھ اثاثہ نہ تھا۔ یہودی سرمایہ دار نے قرض کی واپسی کا تقاضا کیا۔ حضرت ابو حداد رضی اللہ عنہ نے مہلت مانگی۔ مگر وہ یہودی نہ مانا۔ جب یہودی کسی طور مہلت دینے پر راضی نہ ہوا تو آپ نے اپنا تہہ بند اُتار کر یہودی کے حوالے کر دیا اور سر مبارک سے عمامہ اُتار کر کمر سے لپیٹ لیا۔(۱)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضي الله عنهما بیان کرتے ہیں:

أنّ رسول الله رأى صاحب بز فاشترى منه قميصًا بأربعة دراهم فخرج وهو عليه فإذا رجل من الأنصار فقال: يا رسول الله، اكسني قميصا كساك الله من ثياب الجنّة فنزع القميص فكساه إيّاه ثم رجع إلى صاحب الحانوت فاشترى منه قميصًا

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۲۳

بأربعة دراهم۔[1]

”حضور نبی اکرم ﷺ نے کپڑے کے ایک تاجر سے چار درہم میں ایک قمیض خریدی۔ اسے زیب تن فرما کر آپ باہر نکلے ہی تھے کہ ایک انصاری سامنے آیا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! مجھے قمیض پہنائیے (شاید وہ ننگے جسم تھا) اللہ تعالیٰ آپ کو جنت کے کپڑوں میں سے قمیض پہنائے گا۔ آپ ﷺ کے پاس اور تو کوئی قمیض نہ تھی وہی قمیض اتاری اور اس انصاری کو پہنا دی۔ پھر دکان پر تشریف لے گئے اور وہاں سے اپنے لئے مزید ایک قمیص چار درہم میں خریدی۔“

ایک صحابیہ رضي الله عنها ایک بُنی ہوئی چادر آپ کے پاس لائیں اور عرض کرنے لگیں یا رسول اللہ! میں نے اسے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے اور میری خواہش ہے کہ آپ ﷺ اسے زیب تن فرمائیں۔ آپ ﷺ وہ چادر زیب تن فرما کر باہر تشریف لائے تو ایک صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کتنی خوبصورت چادر ہے مجھے عنایت فرما دیجیے۔ آپ ﷺ نے اُتار کر دے دی۔ جب آپ ﷺ مجلس سے تشریف لے گئے تو لوگوں نے اس شخص سے کہا تو نے حضور نبی اکرم ﷺ سے چادر مانگ کر اچھا نہیں کیا؟ کیا تجھے پتہ نہیں کہ آپ ﷺ کو چادر کی ضرورت تھی اور آپ ﷺ کسی کا سوال بھی رد نہیں کرتے۔ وہ صحابی کہنے لگے درآنحالیکہ میں نے یہ چادر پہننے کے لئے نہیں مانگی بلکہ میری تو یہ آرزو تھی کہ اس چادر سے میں اپنا کفن بناؤں۔[2]

iii. حقِ رہائش

حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی حقِ رہائش کو انسان کا بنیادی حق بیان فرمایا۔ ارشادِ

(۱) ابن کثیر، البداية والنهاية، ۶: ۳۹

(۲) بخاری، الصحيح، کتاب الجنائز، باب من استعد الكفن في زمن النبي ﷺ فلم ينكر عليه، ۱: ۴۲۹، رقم: ۱۲۱۸

نبوی ﷺ ہے:

لیس لإبن آدم حق في سوی هذه الخصال بیت یسکنه وثوب یواری عورته وجلف الخبز والماء۔(۱)

’’ابن آدم کے لئے سوائے ان اُمور کے کوئی ضروری حق نہیں، رہنے کے لئے گھر، ستر ڈھانپنے کے لئے کپڑا اور ضرورت کی روٹی اور پانی۔‘‘

iv. حقِ ذریعہ معاش اور مالی کفالت

اسلامی ریاست میں نہ صرف بنیادی ضروریات کی فراہمی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ جس کا مفصل تذکرہ اُوپر گزر چکا بلکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے اُسوہ حسنہ سے واضح پیغام ملتا ہے کہ اگر معاشرے کے ضرورت مند اور مستحق افراد کو مالی کفالت کی ضرورت ہو تو ریاست اس کا بھی اہتمام کرے تاکہ افرادِ معاشرہ معاشی مجبوریوں کے شکنجوں سے نجات حاصل کر سکیں اور اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر اپنی معاشی تخلیق کے عمل کو شروع کر سکیں۔

جب فتوحات ہونے لگیں اور بیت المال میں مالِ غنیمت آنے لگا تو آپ ﷺ نے آیتِ قرآنی: ﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ کا حوالہ دیتے ہوئے اعلانِ عام فرمایا:

فأیّما مومن مات وترک مالا فلیرثه عصبته من کانوا فإن ترک دینًا أو ضیاعاً فلیأتنی فأنا مولاہ۔(۲)

---

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الزھد، باب منه، ۴: ۵۷۱، رقم: ۲۳۴۱

۲۔ عبد بن حمید، المسند، ۱: ۴۶، رقم: ۴۶

۳۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۳۴۷، رقم: ۷۸۶۶

۴۔ بیهقی، شعب الایمان، ۵: ۱۵۷، رقم: ۶۸۰

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب النبی أولی بالمؤمنین من أنفسهم، ۴: ۱۷۹۵، رقم: ۴۵۰۳

’’جو مومن بھی مال چھوڑ کر مرے گا اس کے وارث اس کے عصبہ (قریبی رشتہ دار) ہوں گے جو کوئی بھی ہوں گے اور اگر وہ اپنے ذمہ دین (قرض) چھوڑ کر مرا یا بچے (جن کے پاس کچھ بھی نہ ہو) چھوڑ کر مرا تو وہ قرض اور یتیم بچے میرے ذمہ۔ میں ہی ان کا والی ہوں۔ (یعنی ان کی کفالت کروں گا اور ان پر مال خرچ کروں گا۔)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

فأیّکم ما ترک دیناً أو ضیعة فادعونی فأنا ولیّه۔(۱)

’’تم میں سے جو آدمی قرض یا چھوٹے بچے چھوڑ کر مر جائے تو مجھے بلاؤ۔ بے شک قرض اور بچوں کے معاملے میں اس کا ولی میں ہوں۔‘‘

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بحرین سے خراج اور جزیے کا مال بارگاہِ نبوی ﷺ میں پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا اس مال کو مسجد (کے صحن) میں پھیلا دو۔ بقول راوی آپ ﷺ کے پاس جتنے بھی اموال آئے ان میں یہ سب سے زیادہ تھا (محدثین نے ایک لاکھ درہم کا اندازہ لگایا ہے) جب آپ ﷺ نماز کے لئے باہر تشریف لائے تو مال کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ جب نماز ہو چکی تو آپ مال کے پاس بیٹھ گئے۔ پس جو بھی نظر آتا اسے ضرورت کے مطابق عطا فرما دیتے اور آپ اس وقت تک نہ اٹھے جب تک سارا مال تقسیم نہ ہو گیا اور ایک درہم بھی باقی نہ بچا۔(۲)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفرائض، باب من ترک مالا فلورثته، ۳: ۱۲۳۸، رقم: ۱۶۱۹

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۱۸، رقم: ۸۲۱۹

۳۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۶: ۲۰۱، رقم: ۱۱۹۱۰

۴۔ عبد الرزاق، المصنف، ۸: ۲۹۱، رقم: ۱۵۲۶۱

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب الصلاة، باب القسمة وتعلیق القنو في المسجد، ۱: ۱۶۲

بحیثیتِ سربراہِ اسلامی ریاست، ریاست کی جملہ آمدنی اور محاصل آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھے مگر آپ ﷺ نے اس تمام تر آمدنی کو شخصی تصرف میں لانے کی بجائے مسلمانوں کی ملکیت قرار دیا۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے زکوٰۃ کی ساری رقم بھی اپنے اور اپنے اہل و عیال اور خاندان بنو ہاشم پر حرام فرما دی اور اسے بحکم الٰہی غربا اور اہلِ حاجت کا حق قرار دیا۔

قال رسول الله ﷺ: ما أوتيكم من شيء وما أمنعكموه إن أنا إلّا خازن أضع حيث أمرت۔[1]

”فرمایا: میں تم کو نہ کچھ دے سکتا ہوں اور نہ کچھ روک سکتا ہوں۔ میں صرف خزانچی ہوں جس جگہ صرف کرنے کا مجھے حکم دیا جاتا ہے وہاں ہی صرف کرتا ہوں۔“

آپ ﷺ کا یہ فرمان مبارک دراصل مسلمان حکمرانوں کے لئے صرف خرچ کے باب میں ایک رہنما اُصول فراہم کرتا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک ضرورت مند آدمی حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور درخواست کی کہ آپ ﷺ اسے کچھ عنایت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس وقت تو میرے پاس کوئی چیز نہیں البتہ جو کچھ لینا چاہتے ہو میرے نام پر خرید لو جب میرے پاس کوئی چیز آ جائے گی تو میں ادائیگی کر دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو اس وقت حاضر خدمت تھے نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ جس

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الخراج والإمارة والفیء، باب فيما يلزم الإمام من أمر الرعية والحجبة عنه، ۳: ۱۳۵، رقم: ۲۹۴۹
۲۔ إسحاق بن راهويه، المسند، ۱: ۴۲۵، رقم: ۴۸۶
۳۔ ابن عبد البر، التمهيد، ۴۰: ۵۱
۴۔ مناوي، فيض القدير، ۵: ۴۳۰

چیز پر قدرت نہیں رکھتے یا جو چیز آپ کے پاس نہیں، اللہ نے جب آپ کو اس کا مکلّف نہیں کیا تو آپ خواہ مخواہ کیوں تکلیف فرماتے ہیں؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس مشورے کو پسند نہ فرمایا۔ ایک انصاری نے حضور نبی اکرم ﷺ کی اس ناگواری کو دیکھا تو عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ خرچ فرماتے رہیں اور عرش والے مالک سے کسی قسم کی کمی کا خوف نہ فرمائیں۔ انصاری کی یہ بات سنتے ہی آپ کا چہرہ انور خوشی سے کھل اٹھا اور آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے۔(۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ بن عمرو بن حزم غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے انہوں نے مدینہ منورہ کے ایک سرمایہ دار یہودی سے تیس وسق قرض لے رکھا تھا۔ اتفاقاً حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی کھجوریں کم پھل لائیں جس سے یہودی کا قرض پورا نہیں ہوتا تھا یہودی نے تقاضا کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے سارا واقعہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور سفارش کی درخواست کی آپ ﷺ یہودی کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے کہا کہ تو اپنے قرض کے بدلے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے باغ کی ساری کھجوریں لے لے اور اس پر اکتفا کر لے مگر یہودی کسی طور نہ مانا۔ آپ ﷺ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے باغ میں تشریف لے گئے اور باغ کے درختوں کے درمیان چلے پھرے۔ آپ ﷺ کے قدمین مبارک کی تاثیر تھی کہ جوں ہی آپ ﷺ باغ میں داخل ہوئے تمام درختوں کے خوشے کھجوروں سے لبریز ہو گئے۔ آپ ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اب کھجوریں اُتارو اور یہودی کا قرض ادا کر دو آپ ﷺ کی واپسی پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کھجوریں اُتاریں اور قرض خواہ کی تیس وسق کھجوریں ادا کیں پھر بھی سترہ وسق کھجوریں بچ گئیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جب اس کی خبر آپ ﷺ کو دی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ واقعہ عمر (رضی اللہ عنہ) کو بھی بتا دو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

---

(۱) ترمذی، الشمائل المحمدیۃ، ۱: ۲۹۴

لقد علمت حین مشی فیها رسول الله ﷺ لیبارکن فیها۔[(۱)]

’’مجھے اسی وقت یقین ہوگیا تھا جب آپ ﷺ باغ میں چلے تھے کہ کھجوروں میں ضرور بالضرور برکت ہوگی۔‘‘

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں ایک آدمی کو پھلوں کی تجارت میں کسی وجہ سے نقصان ہوگیا۔ تجارت میں خسارے کی وجہ سے وہ مقروض ہوگیا اور قرض خواہ اسے پریشان کرنے لگے۔ حضور نبی اکرم ﷺ سے اس کی یہ پریشانی دیکھی نہ گئی آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ صدقہ خیرات کر کے اس بیچارے کو اس مصیبت سے نکالو۔ حکم ملنے کی دیر تھی سب نے حسب استعداد اس کی امداد کی مگر سب رقم ملا کر بھی اس کے قرض کی رقم کے برابر نہ ہوسکی۔ پھر آپ ﷺ نے قرض خواہوں سے فرمایا تم لوگ بھی کچھ ایثار اور قربانی کا مظاہرہ کرو۔ جو کچھ اس کے پاس موجود ہے وہ لے لو اور باقی چھوڑ دو۔[(۲)]

یہ واقعہ فتوحات اور خوش حالی سے پہلے کا ہے جب فتوحات عام ہونے لگیں تو

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب في الاستقراض وأداء الدیون والحجر والتفلیس، باب إذا قاص أو جازفه في الدین تمرا بتمر أو غیره، ۲: ۸۴۴، رقم: ۲۲۶۶

۲۔ فریابی، دلائل النبوۃ، ۱: ۸۳

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب المساقاۃ، باب استحباب الوضع من الدین، ۳: ۱۱۹۱، رقم: ۱۵۵۶

۲۔ ترمذي، السنن، کتاب الزکاۃ عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء من تحل له الصدقة من الغارمین وغیرهم، ۳: ۴۴، رقم: ۶۵۵

۳۔ نسائي، السنن، کتاب البیوع، باب وضع الجوائح، ۷: ۲۶۵، رقم: ۴۵۳۰

۴۔ أبو داود، السنن، کتاب البیوع، باب في وضع الجائحة، ۳: ۲۷۶، رقم: ۳۴۶۹

آپ نے اعلان عام فرما دیا کہ جو آدمی قرض چھوڑ کر مرے اور اسے چکانے کے لئے کوئی چیز نہ چھوڑے تو اس کا قرض ادا کرنا ہمارے ذمہ ہے۔

ایک شخص آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا (جو شاید کسی دیہات کا رہنے والا تھا) اور اپنی معاشی بدحالی کا تذکرہ کرنے لگا۔ اتفاق سے اس وقت آپ کے پاس بکریوں کا ایک ریوڑ موجود تھا جو پہاڑوں کے درمیان چر رہا تھا۔ سائل کی غربت اور محتاجی کو دیکھ کر آپ نے فرمایا یہ سارا ریوڑ لے جا۔ اسے اس قدر بخشش کی امید نہ تھی۔ وہ جب یہ ریوڑ لیکر اپنے قبیلے میں واپس پہنچا تو کہنے لگا لوگو! اسلام قبول کرلو کیونکہ پیغمبر اسلام اتنے فیاض اور سخی ہیں کہ جب دینے پر آتے ہیں تو کسی قسم کے فقر اور تنگ دستی سے نہیں ڈرتے۔ (۱)

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے پوچھا ربیعہ! کیا تو شادی نہیں کرے گا؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں نہیں چاہتا کہ کوئی چیز مجھے آپ ﷺ کی خدمت سے غافل کر دے آپ ﷺ خاموش ہوگئے۔ کچھ دن بعد پھر مجھ سے پوچھا ربیعہ کیا تو شادی نہیں کرے گا؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک تو میں نہیں چاہتا کہ کوئی مصروفیت مجھے آپ کی خدمت سے غافل کرے دوسرے میرے پاس اتنی رقم نہیں کہ بیوی کو مہر بھی دے سکوں۔ آپ خاموش ہو گئے۔ ایک دن پھر آپ نے پوچھا ربیعہ کیا تو شادی نہیں کرے گا؟ میں نے عرض کیا: حضور ﷺ مجھے کون رشتہ دے گا؟ میرے پاس تو اتنا پیسہ بھی نہیں کہ بیوی کو دے سکوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفضائل، باب ما سئل رسول الله شيئا قط فقال لا وكثرة عطائه، ۴: ۱۸۰۶، رقم: ۲۳۱۲
۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۴: ۲۸۷، رقم: ۶۳۷۳
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۵۹، رقم: ۱۳۷۵۶
۴۔ أبو يعلى، المسند، ۶: ۵۶، رقم: ۳۳۰۲

”جا فلاں قبیلہ کے پاس جا اور ان سے کہہ کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ مجھ سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دو۔“

انہوں نے پیغامِ نکاح سن کر حضور نبی اکرم ﷺ کو اور مجھے مرحبا کہا اور مجھے اپنی لڑکی نکاح میں دے دی۔ میں حضور ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اب حق مہر کہاں سے دوں؟ آپ ﷺ نے بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ربیعہ کے لئے ایک گٹھلی کے برابر سونے کا انتظام کرو۔ انہوں نے سونا جمع کر کے مجھے دیا اور میں نے لا کر اپنی بیوی کے گھر والوں کو دے دیا۔ میں پھر حاضرِ خدمت ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اب ولیمہ کہاں سے کروں؟ آپ ﷺ نے پھر حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ربیعہ کے لئے ایک مینڈھے کی قیمت کا انتظام کرو۔ انہوں نے فوراً مینڈھے کا انتظام کر دیا۔ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ (سیدہ) عائشہ کے پاس جاؤ اور ان کے پاس جتنے جو ہیں وہ لے آؤ۔ میں گیا تو انہوں نے تمام جو میرے حوالے کر دیئے حالانکہ کاشانۂ نبوی ﷺ میں اس کے سوا شام کے کھانے کے لئے کچھ نہ تھا۔ میرے سسرال والوں نے کہا کہ جو ہم تیار کر دیتے ہیں وہ مینڈھا اپنے ساتھیوں سے ذبح کروا لو۔ اس طرح ولیمہ تیار ہو گیا۔“(۱)

قرآن حکیم کی عطا کردہ معاشی تعلیمات، جن کی عملی تعبیر و تشریح سیرت نبوی ﷺ سے میسر آتی ہے اور جس پر عمل خلفائے راشدین نے اپنے مبارک ادوار میں عمل کر کے ملت اسلامیہ کیلئے عملی مثال قائم کی، سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ ایک مثالی فلاحی معاشرے اور فلاحی ریاست کا قیام اسلام کی عطا کردہ تعلیمات پر عمل درآمد سے ہی ممکن ہے۔ جہاں افراد معاشرہ کو ہر نوع کا معاشی تحفظ عطا کیا گیا ہو۔ تاکہ وہ معاشی تعطل سے نکل کر تخلیق کی راہ پر گامزن ہو سکیں جس میں انفرادی اور قومی ارتقاء کا راز مضمر ہے۔

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۵۸

۲۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۲: ۱۸۸ رقم: ۲۷۱۸

۳۔ ھیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۲۵۶

(۳) منصفانہ معیشت کے لیے لازمی اقدامات

i. جملہ اموال میں حاجت مندوں کا حق

حضور نبی اکرم ﷺ کے عطا کردہ نظامِ معیشت کا بنیادی تصور جملہ اموال میں حاجت مندوں اور ضرورت مندوں کے حق سے متعلق ہے۔ اسلام نے ہمارے کمائے ہوئے مال میں محروم المعیشت افراد کا باقاعدہ حق رکھ دیا ہے۔ جس کی حیثیت محض اخلاقی اور ترغیبی نہیں، شرعی و وجوبی اور قانونی ہے۔ اس کی ادائیگی محض نفلی نیکی نہیں، فرض ہے جسے پورا نہ کرنا حرام بلکہ جرم ہے۔ اگر اہلِ ثروت از خود حاجت مندوں کے حقوق اپنے مال سے ادا نہ کریں تو ریاست کی ذمہ داری ہے کہ بذریعہ قانون ان واجب الادا حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرے ورنہ یہ حق تلفی، استحصال اور صریحاً ظلم و زیادتی متصور ہوگا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِo(۱)

”اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجت مندوں) کا حق مقرر تھاo“

دوسرے مقام پر اسی حکم کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

وَالَّذِیْنَ فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌo لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِo(۲)

”اور وہ (ایثار کیش) لوگ جن کے اَموال میں حصہ مقرر ہےo مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کاo“

یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس ضمن میں جس کسی کو بھی اپنے اموال کے منافع میں

(۱) الذاریات، ۵۱: ۱۹

(۲) المعارج، ۷۰: ۲۴، ۲۵

شریک کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس کے لئے ایتائے حق (حق ادا کرنے) کے الفاظ وارد ہوئے ہیں جن سے ان حق داروں کی قانونی و شرعی حیثیت اُجاگر ہوتی ہے جس کی رو سے وہ اسلامی ریاست سے اس حق کا مطالبہ کرسکتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ۔(۱)

’’اور قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو)۔‘‘

اس پر مستزاد یہ کہ لینے والے کا حق اتنا ہی ضروری اور قابلِ احترام قرار دیا گیا ہے جتنا کہ دینے والے کا اپنا حق۔ اس میں مالک کو بلحاظ مقدار (Quantity) ترجیح تو بہرحال حاصل ہے لیکن بلحاظ معیار (Quality) دینے والے اور لینے والے دونوں برابر کے حقدار ہیں۔ اور شریک فی المنافع (Beneficiary) کا حق کسی لحاظ سے بھی مالک یعنی قابض و متصرف (owner) کے حق سے کمتر یا گھٹیا نہیں ہے۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ص وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ۔(۲)

’’اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو اور اس میں سے گندے مال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کا ارادہ مت کرو کہ (اگر وہی تمہیں دیا جائے تو) تم خود اسے ہرگز نہ لو۔‘‘

یعنی دوسروں کے لئے بھی وہی چیز پیش کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ اسی تصور کو حضور نبی اکرم ﷺ نے احادیثِ مبارکہ میں بیان فرمایا:

---

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶

(۲) البقرۃ، ۲: ۲۶۷

۱۔ لیس المؤمن الّذي یشبع وجاره جائع إلی جنبه۔ (۱)

’’وہ شخص کامل مومن نہیں جو خود تو سیر ہو اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا پڑا رہے۔‘‘

۲۔ ما أمن بي من یات شبعانًا وجاره جائع إلی جنبه وهو یعلم به۔ (۲)

’’وہ آدمی میرے اُوپر ایمان نہ لایا جس نے خود تو رات سیر ہوکر بسر کی مگر اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا سویا اور یہ بات اس کے علم میں تھی۔‘‘

۳۔ أیّما أهل عرصة أصبح فیهم امرؤ جائعًا فقد برء ت منهم ذمة الله ومنها۔ (۳)

’’جس بستی میں کسی شخص نے اس حال میں صبح کی کہ رات بھر بھوکا رہا اس بستی سے اللہ کی حفاظت اور نگرانی کا وعدہ ختم ہوجاتا ہے۔

ii. ضرورت سے زائد زمین بحقِ سرکار ضبط

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال بن حارث مزنی سے غیر مزروعہ زمین واپس لے

(۱) ۱۔ أبو یعلی، المسند، ۵: ۹۲، رقم: ۲۶۹۹
۲۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۱۲: ۱۵۴، رقم: ۱۲۷۴۱
۳۔ بیهقي، السنن الکبری، ۱۰: ۳، رقم: ۱۹۴۵۲

(۲) ۱۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۱: ۲۵۹، رقم: ۷۵۱
۲۔ هیثمی، مجمع الزوائد، ۸: ۱۶۷
۳۔ منذري، الترغیب والترهیب، ۳: ۲۴۳، رقم: ۳۸۷۴

(۳) ۱۔ حاکم، المستدرك علی الصحیحین، ۲: ۱۴، رقم: ۲۱۶۵
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۳، رقم: ۴۸۸۰
۳۔ ابن أبي شیبة، المصنف، ۴: ۳۰۲، رقم: ۲۰۳۹۶
۴۔ أبو یعلی، المسند، ۱۰: ۱۱۷، رقم: ۵۷۴۶

لی تھی جو انہیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے عطا فرمائی تھی۔ حالانکہ وہ اس پر رضامند نہ تھے۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہ ارشاد ملاحظہ ہو:

إنّ رسول اللہ ﷺ لم یقطعک لتحجرہ عن النّاس. إنّما أقطعک لتعمل فخذ منھا ما قدرت علی عمارتہ وردّ الباقي۔(۱)

''یقین جانو کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں یہ علاقہ اس لئے نہیں بخشا تھا کہ تم اسے لوگوں سے روک کر بیٹھ جاؤ آپ ﷺ نے یہ علاقہ اس لئے عطا فرمایا تھا کہ تم اسے آباد کرو۔ لہٰذا جس حصے کی آبادکاری تم کر سکتے ہو وہ تم لے لو اور بقیہ واپس کر دو۔''

iii. مالِ وراثت میں غرباء کا شرعی حق

قرآنِ حکیم نے غرباء و مساکین کا حق ہر دوسرے حق پر مقدم رکھا ہے۔ حتیٰ کہ وراثت میں جس پر ورثاء کا مکمل طور پر نجی حق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے نادار اور غریب لوگوں کو وہاں بھی محروم نہیں رہنے دیا بلکہ ارشاد فرمایا:

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًاo(۲)

''اور اگر تقسیمِ (وراثت) کے موقع پر (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج موجود ہوں تو اس میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور ان سے نیک بات کہوo''

اس آیت سے دو اُصول مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) ۱۔ أبوعبید، کتاب الاموال: ۳۶۸، رقم: ۷۱۲

۲۔ یحی بن آدم، کتاب الخراج: ۲۹۴

(۲) النساء، ۴: ۸

۱۔ یہ کہ اسی مال میں سے یتامیٰ و مساکین (مستحقین) کو دو جو ورثاء میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ورثاء تو بہتر مال لے جائیں لیکن مستحقین کو گھٹیا مال دے دیا جائے۔ یہاں ''منہ'' کا مفہوم اور اس حصہ آیت کا افادہ کلام یہی ظاہر کر رہا ہے۔

۲۔ مزید برآں یہ کہ وراثت میں غرباء مستحقین کے حق کا شرعی وجوب بھی ثابت ہو رہا ہے کیونکہ ''فارزقوھم'' امر کا صیغہ ہے۔ یعنی حکم دیا جا رہا ہے کہ مال وراثت میں غرباء اور مساکین کو شریک کیا جائے۔

یہ نکتہ قابل غور ہے کہ مال وراثت بلا شرکت غیرے ورثاء کا حق ہوتا ہے لیکن اس میں بھی مستحقین کو شریک کرنے کا حکم ان کے حق کے شرعی وجوب اور اہمیت پر دلالت کر رہا ہے۔ اس امر کی وضاحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی درج ذیل قول سے ہوتی ہے:

أمر الله عزّ وجلّ المؤمنين عند قسمة مواريثهم أن يصلوا أرحامهم ويتاماهم ومساكينهم من الوصية فإن لم تكن وصية وصل لهم من الميراث۔(۱)

''اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حکم دیا ہے کہ جب مال وراثت تقسیم ہونے لگے تو رشتہ داروں کے ساتھ یتامیٰ و مساکین کو بھی وصیت میں شامل کریں اور اگر ان کے حق میں وصیت نہ کی گئی ہو تو پھر انہیں وراثت میں شریک کیا جائے۔''

اس سے ثابت ہوا کہ مستحق غرباء و مساکین یعنی ناداروں کو حصہ، ملکیت وراثت

(۱) ۱۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۵: ۴۹
۲۔ طبری، جامع البیان عن تأویل أی القرآن، ۴: ۲۶۲
۳۔ شافعی، أحکام القرآن، ۱: ۱۴۷

میں سے بہرصورت دیا جائے گا۔ خواہ وہ وصیت کے طور پر ہو یا مال وراثت میں سے۔

فأيّما مؤمن مات وترك مالًا فليرثه عصبته من كانوا فإن ترك دينًا أو ضياعًا فليأتني وأنا مولاه۔[1]

''جو مومن بھی مال چھوڑ کر مرے گا اس کے وارث اس کے عصبہ (قریبی رشتہ دار) ہوں گے جو کوئی بھی ہوں گے اور اگر وہ اپنے ذمہ دَین (قرض) یا بچے (جن کے پاس کچھ بھی نہ ہو) چھوڑ کر مرا تو وہ قرض اور یتیم بچے میرے ذمہ ہیں اور میں ہی ان کا والی ہوں (یعنی ان کی کفالت کروں گا اور ان پر مال خرچ کروں گا)۔''

فأيّكم ما ترك دينًا أوضيعة فادعوني فأنا وليه۔[2]

''تم میں سے جو آدمی قرض یا چھوٹے بچے چھوڑ کر مر جائے تو مجھے بلاؤ، بیشک

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب التفسير، باب اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ، ۴: ۱۷۹۵، رقم: ۴۵۰۳

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفرائض، باب من ترك مالا فلورثته، ۳: ۱۲۳۷، رقم: ۱۶۱۹

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب الفرائض، باب ما جاء من ترك مالا فلورثته، ۴: ۴۱۳، رقم: ۲۰۹۰

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفرائض، باب من ترك مالا فلورثته، ۳: ۱۲۳۸، رقم: ۱۶۱۹

۲۔ أبوداود، السنن، كتاب الفرائض، باب في ميراث ذوى الأرحام، ۳: ۱۲۳، رقم: ۲۹۰۰

۳۔ عبدالرزاق، المصنف، ۸: ۲۹۱، رقم: ۱۵۲۶۱

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۱۸، رقم: ۸۲۱۹

۵۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۲۰۱، رقم: ۱۱۹۱۰

www.MinhajBooks.com

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

قرض اور بچوں کے معاملے میں اس کا میں ولی ہوں۔‘‘

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أتی النبي ﷺ بمال من البحرین، فقال: انثروه في المسجد، وکان أکثر مال أُتی به رسول الله ﷺ، فخرج رسول الله ﷺ إلی الصلاة ولم یلتفت إلیه، فلما قضی الصلاة جاء فجلس إلیه، فما کان یری أحداً إلّا أعطاه، ...... فما قام رسول الله ﷺ وثم منها درهم۔ (۱)

’’بحرین سے خراج اور جزیئے کا مال بارگاہ نبوی ﷺ میں پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس مال کو مسجد (کے صحن) میں پھیلا دو۔ بقول راوی آپ ﷺ کے پاس جتنے بھی اموال آئے ان میں یہ سب سے زیادہ تھا (محدثین نے ایک لاکھ درہم کا اندازہ لگایا ہے) جب آپ ﷺ نماز کے لئے باہر تشریف لائے تو مال کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ جب نماز ہو چکی تو آپ ﷺ مال کے پاس بیٹھ گئے۔ پس جو بھی نظر آتا اسے ضرورت کے مطابق عطا فرما دیتے ...... آپ ﷺ اس وقت تک نہ اٹھے جب تک سارا مال تقسیم نہ ہو گیا اور ایک درہم بھی باقی نہ بچا۔‘‘

iv. ادائیگی زکوٰۃ سے حکمِ انفاق ساقط نہیں ہوتا

اس ضمن میں حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی - (إنّ في المال لحقّا سوی

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الصلاة، باب القسمة وتعلیق القنو في المسجد، ۱: ۱۶۲، رقم: ۴۱۱

۲۔ بیهقي، السنن الکبری، ۶: ۳۵۶، رقم: ۱۲۸۰۷

الزّکاۃ)[۱] ''بے شک مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں''۔ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اڑھائی فیصد زکوٰۃ ادا کر دینے سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ مال کا حق ادا ہو گیا۔ بلکہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال میں سے مستحقین کے ایسے حقوق ہیں جن کا ادا کرنا فرض کا درجہ رکھتا ہے۔

مستحقین کے حقوق کی ادائیگی اس قدر اہم ہے کہ قرآن مجید کی نظر میں اسے نظر انداز کرنے کی صورت میں کوئی بھی عمل، عملِ صالح نہیں قرار پاتا قرآن اس تصور کی نفی کرتے ہوئے بڑی صراحت کے ساتھ ''نیکی کے تصور'' کو یوں بیان کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔[۲]

''تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔''

یہاں یہ نکتہ قابلِ توجہ ہے کہ قرآن حکیم میں جس جگہ بھی ''تقویٰ'' اور ''متقین'' کی تعریف بیان کی گئی ہے۔ وہاں ''انفاق فی المال'' کی صفت کو کہیں بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس صفت کو اس قدر نمایاں انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ یہ ''عین تقویٰ'' یا متقین کا جزو لا ینفک معلوم ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں سب سے پہلے ''متقین کی اصطلاح اور ان کی تعریف سورہ بقرہ کے آغاز میں وارد ہوئی ہے اور اس میں ان کے لئے ''ومما رزقناھم ینفقون'' کی شرط پوری کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ یعنی انہیں اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے محتاجوں اور ناداروں کا معاشی تعطل دور کرنے کے لئے خرچ کرنا ہو

---

(۱) ۱۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۲: ۲۴۱

۲۔ طبری، جامع البیان عن تأویل آی القرآن، ۱۵: ۷۱

۳۔ طبری، جامع البیان عن تأویل أی القرآن، ۲: ۹۶

(۲) آل عمران، ۳: ۹۱

گ۔ دوسرے مقام پر ایجابی انداز سے نیکی کا مفہوم واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ج وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ لا وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ۔(۱)

’’بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے، اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔‘‘

گویا برّ، صدق اور تقویٰ تمام تصورات کا تقاضائے اوّلین اسی حق کی ادائیگی ہے۔ اس کے بغیر انسان صالحیت کے کسی مقام کو حاصل نہیں کر سکتا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

ما أوتيكم من شيء وما أمنعكموه إنّ أنا إلّا خازن أضع حيث أمرت۔(۲)

’’میں تم کو نہ کچھ دے سکتا ہوں اور نہ کچھ روک سکتا ہوں۔ میں صرف خزانچی ہوں جس جگہ صرف کرنے کا مجھے حکم دیا جاتا ہے وہاں ہی صرف کرتا ہوں۔‘‘

www.MinhajBooks.com

(۱) البقرہ، ۲: ۱۷۷

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الخراج والإمارة والفيء، ۳: ۱۳۵، رقم: ۲۹۴۹
۲۔ إسحاق بن راهويه، المسند، ۱: ۴۲۵، رقم: ۴۸۶
۳۔ ابن عبد البر، التمهيد، ۴۰: ۵۱
۴۔ مناوي، فيض القدير، ۵: ۴۳۰

آپ ﷺ کا یہ فرمان مبارک دراصل مسلمان حکمرانوں کے لئے صرف وخرچ کے باب میں ایک رہنما اُصول فراہم کرتا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

إنّ رجلاً جاء إلی رسول اللہ ﷺ فسأله أن يعطيه فقال النبي ﷺ ما عندي شيء ولكن ابتع عليّ فإذا جاءني شئ قضيته، فقال عمر: يا رسول اللہ، قد أعطيته فما كلفك اللہ ما لا تقدر عليه، فكره النّبي ﷺ قول عمر، فقال رجل من الأنصار: يا رسول اللہ أنفق ولا تخف من ذي العرش إقلالاً. فتبسم رسول اللہ ﷺ وعرف البشر في وجهه لقول الأنصاري ثم قال: بهذا كما أمرت۔(۱)

’’ایک مرتبہ ایک ضرورت مند آدمی حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور درخواست کی کہ آپ ﷺ اسے کچھ عنایت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس وقت تو میرے پاس کوئی چیز نہیں البتہ جو کچھ لینا چاہتے ہو میرے نام پر خرید لو جب میرے پاس کوئی چیز آ جائے گی تو میں ادائیگی کر دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو اس وقت حاضرِ خدمت تھے، نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ جس چیز پر قدرت نہیں رکھتے یا جو چیز آپ کے پاس نہیں، اللہ نے جب آپ کو اس کا مکلّف نہیں کیا تو آپ خواہ مخواہ کیوں تکلیف فرماتے ہیں؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس مشورے کو پسند نہ فرمایا۔ ایک انصاری نے حضور نبی اکرم ﷺ کی اس ناگواری کو دیکھا تو عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ خرچ فرماتے رہیں اور عرش والے مالک سے کسی قسم کی کمی کا خوف نہ فرمائیں۔

(۱) ۱۔ ترمذي، الشمائل المحمدية، ۱: ۲۹۴
۲۔ مقدسي، الأحاديث المختارة، ۱: ۱۸۰، رقم: ۸۸
۳۔ ابن أبي الدنيا، مكارم الأخلاق، ۱: ۱۱۸، رقم: ۳۹۰

انصاری کی یہ بات سنتے ہی آپ ﷺ کا چہرہ اور خوشی سے کھل اٹھا اور آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے۔''

(۴) ریاست کے اِمتناعی اِقدامات

سیرتِ مبارکہ سے اس باب میں واضح رہنمائی ملتی ہے کہ اسلامی ریاست ان تمام ذرائع اور اسباب کا سد باب کرے جو ناجائز، استحصالی اور اسلامی تعلیمات کے منافی معیشت کے فروغ کی راہ ہموار کرتے ہوں۔ ان میں سرفہرست سود ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہلِ اقتدار کی ذمہ داری بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ O(۱)

''(یہ اہلِ حق) وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دے دیں (تو) وہ نماز (کا نظام) قائم کریں اور زکوٰۃ کی ادائیگی (کا انتظام) کریں اور (پورے معاشرے میں نیکی اور) بھلائی کا حکم کریں اور (لوگوں کو) برائی سے روک دیں، اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہےO''

جبکہ اس کے برعکس سود اس مثالی نظام کی کلیتاً نفی کا نام ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ۔(۲)

''جو لوگ سُود کھاتے ہیں وہ (روزِ قیامت) کھڑے نہیں ہو سکیں گے مگر جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان (آسیب) نے چھو کر بدحواس کر دیا ہو۔''

(۱) الحج، ۲۲: ۴۱

(۲) البقرۃ، ۲: ۲۷۵

یعنی قیامت کے دن سود خور اس فالج زدہ شخص کی طرح کھڑے ہو جائیں گے جیسے کسی کو کوئی شیطان یا جن چھو جائے اور اس کے ہوش و حواس جاتے رہیں قیامت کے دن جس کو فالج زدہ کھڑا دیکھو سمجھ لو کہ وہ سود خور ہے اور اس حرام خوری کے باعث آج قیامت کے دن اس کے اوسان خطا کر دیئے گئے ہیں۔ پھر فرمایا:

ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا۔ (۱)

’’یہ اس لئے کہ وہ کہتے تھے کہ تجارت (خرید و فروخت) بھی تو سود کی مانند ہے۔‘‘

سودخوروں کو اس لئے شیطان کے مس شدہ کی طرح ہوش و حواس سے عاری کر کے کھڑا کیا جائیگا کہ جب انہیں کہا جاتا تھا کہ سود چھوڑ دو تو وہ کہتے تھے بھئی سود لینا ایک نفع ہی تو ہے جیسے تم کاروبار میں نفع کماتے ہو۔ ہم قرض کے ذریعے مال کماتے ہیں۔ فرمایا چونکہ انہوں نے تجارت کو سود کے برابر اور سود کو تجارت کے برابر قرار دے دیا تھا اور یہ اتنا بڑا جرم ہے جس کے باعث قیامت کے دن انہیں شیطان زدہ اشخاص کی طرح کھڑا کیا جائے گا۔

وَاَحَلَّ اللہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔ (۲)

’’حالانکہ اللہ نے تجارت (سوداگری) کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔‘‘

سود کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے۔ اگر تجارت کے ذریعہ نفع کماؤ تو یہ نفع حلال ہے اگر قرض دے کر سود کے ذریعہ نفع کماؤ تو یہ حرام ہے۔

پھر فرمایا:

---

(۱) البقرہ، ۲:۲۷۵

(۲) البقرہ، ۲:۲۷۵

فَمَنۡ جَآءَهٗ مَوۡعِظَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ فَانۡتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَاَمۡرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ۔ (۱)

’’پس جس کے پاس اس کے رب کی جانب سے نصیحت پہنچی سو وہ (سود سے) باز آ گیا تو جو پہلے گزر چکا وہ اسی کا ہے، اور اس کا معاملہ اﷲ کے سپرد ہے۔‘‘

وہ لوگ جن تک قرآن کا حکم نہیں پہنچا تھا۔ وہ سود لیتے اور دیتے رہے۔ جب قرآن کا حکم آ گیا انہوں نے سود ختم کر دیا ان کے لئے فرمایا کہ جنہوں نے سود چھوڑ دیا ان کا پچھلا لیا دیا اللہ نے معاف کر دیا۔ فرمایا:

وَمَنۡ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ۝ (۲)

’’اور جس نے پھر بھی لیا سو ایسے لوگ جہنمی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۝‘‘

یعنی جنھوں نے نصیحتِ الٰہی اور فرمانِ مصطفٰی ﷺ سن کر بھی سود اور سودی نظام نہ چھوڑا وہ ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں جلتے رہیں گے۔

i. سودی معیشت: ہمہ گیر تباہی

ارشادِ ربانی ہے:

يَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرۡبِى الصَّدَقٰتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيۡمٍ۝ (۳)

’’اور اﷲ سود کو مٹاتا ہے (یعنی سودی مال سے برکت کو ختم کرتا ہے) اور صدقات کو بڑھاتا ہے (یعنی صدقہ کے ذریعے مال کی برکت کو زیادہ کرتا ہے)، اور اﷲ کسی بھی ناسپاس نافرمان کو پسند نہیں کرتا۝‘‘

(۱) البقرۃ، ۲:۲۷۵
(۲) البقرہ، ۲:۲۷۵
(۳) البقرہ، ۲:۲۷۶

اس آیہ مبارکہ میں اس بنیادی حقیقت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ سود پر مبنی معیشت معاشرے میں ظلم، استحصال اور استبداد کو راہ دے گی جس سے عام فردِ معاشرہ کی معاشی نشو ونما کی راہ رک جائے گی کیونکہ سود کا نظام معاشی بحران کے سوا کچھ نہیں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

الرّبا وإن کثر فإنّ عاقبته تصیر إلی قلٍّ۔(۱)

’’سود اگرچہ کتنا ہی زیادہ ہو جائے مگر اس کا نتیجہ قلت ہے۔‘‘

جبکہ صدقات کا مفہوم معاشی پیداوار میں عام آدمی کو شریک کر کے عام فرد معاشرہ کے لئے بھی معاشی نمو کی راہ کھولنا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا نتیجہ انجام کار معاشی خوشحالی ہوتا ہے:

ما نقصت صدقة من مال۔(۲)

’’کوئی صدقہ کسی مال سے کچھ گھٹاتا نہیں۔‘‘

قرآنِ حکیم میں اس تصور کو دوسرے مقام پر یوں بیان کیا گیا ہے:

وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَا فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَاللهِ وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَکٰوةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللهِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ○(۳)

’’اور جو مال تم سود پر دیتے ہو تاکہ (تمہارا اثاثہ) لوگوں کے مال میں مل کر بڑھتا رہے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھے گا اور جو مال تم زکوٰۃ (و خیرات)

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۹۵،رقم: ۳۷۵۴

(۲) مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب استحباب العفو والتواضع، ۴: ۲۰۰۱، رقم: ۲۵۸۸

۲۔ دارمی، السنن، ۱: ۴۸۶،رقم: ۱۶۷۶

(۳) الروم، ۳۰: ۳۹

میں دیتے ہو (فقط) اللہ کی رضا چاہتے ہوئے تو وہی لوگ (اپنا مال عنداللہ) کثرت سے بڑھانے والے ہیںo“

ii. سودی معیشت: اللہ سے بغاوت

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سود ترک کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَo(۱)

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ بھی سود میں سے باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو اگر تم (صدقِ دل سے) ایمان رکھتے ہوo“

اہلِ ایمان کو آواز دی گئی کہ میرے حبیب ﷺ کا کلمہ پڑھنے والو، قرآن اور اسلام پر ایمان لانے والو، اللہ کو رب اور مصطفیٰ ﷺ کو اپنا رسول ماننے والو! سود کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔ سود کو ختم کرنے کا اعلان آ چکا ہے جو سود تم لے چکے تھے اور دے چکے تھے وہ گزر گیا۔ اگر اللہ سے ڈرتے ہو تو سود کا بقیہ لین دین بند کر دو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سود خوروں سے اعلانِ جنگ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔(۲)

”پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف سے اعلانِ جنگ پر خبردار ہو جاؤ۔“

اگر اللہ تعالیٰ کا یہ واضح حکم سن کر بھی تم نے سود کا لین دین اور سود کا نظام ختم نہ کیا تو سود خورو پھر تیار ہو جاؤ تمہارے خلاف، تمہارے استحصالی نظام کے خلاف اللہ اور

(۱) البقرہ، ۲: ۲۷۸

(۲) البقرہ، ۲: ۲۷۹

اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلانِ جنگ ہو چکا ہے۔

اُمتِ مسلمہ کو اب دو راستوں میں سے ایک راستے کو قبول کرنا ہو گا اگر اللہ اور اس کے رسول معظم ﷺ کے راستے پر چلنا چاہیں تو سودی نظام کو لات مارنا ہو گی اور اگر سود کی راہ پر چلنا چاہیں تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف (معاذ اللہ) جنگ کے لئے خود کو تیار کرنا ہو گا۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رَءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ○(۱)

”اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے تمہارے اصل مال (جائز) ہیں، نہ تم خود ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے○“

iii. سود کی ہر نوع کی ممانعت

ایامِ جاہلیت میں عرب سود خوری کا عام طور پر یہ طریقہ تھا کہ ایک خاص میعاد کے لئے اُدھار سود پر دیا جاتا تھا اور اگر اس مقررہ مدت تک قرض دار ادائیگی نہ کر سکتا تو مزید مہلت کے ساتھ سود کی مقدار بھی بڑھا دی جاتی تھی اور اس طرح ہر آنے والے دور میں سود کی مقدار اضعاف مضاعف (دوگنی چوگنی) ہو جاتی تھی۔ قرآن حکیم نے نہ صرف سود کی عام شکل بلکہ اس شکل کی بھی جو سود کی بدترین صورت ہے ممانعت فرمائی جو اس بات کی دلیل ہے کہ سود چاہے کسی بھی نوع کا ہو اللہ کے ہاں قابلِ گرفت اور ناجائز ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةًص وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○(۲)

”اے ایمان والو! دوگنا اور چوگنا کر کے سود مت کھایا کرو، اور اللہ سے ڈرا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ○“

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۷۹

(۲) آل عمران، ۳: ۱۳۰

iv. سیرۃُ الرسول ﷺ اور سود خوری پر وعید

(۱) سود خوری باعثِ تباہی و بربادی

حضور نبی اکرم ﷺ نے احادیثِ مبارکہ میں جا بجا سود خوری پر وعید سنائی ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن النّبي ﷺ قال: اجتنبوا السبع الموبقات قالوا: يا رسول الله وما هن؟ قال: الشرک بالله والسحر وقتل النّفس الّتی حرم الله إلّا بالحق وأكل الرّبوا وأكل مال اليتيم والتّولّی يوم الزحف وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات۔(۱)

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: سات ہلاک کر دینے والی چیزوں سے بچو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ سات چیزیں کونسی ہیں؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، ایسی جان کو ناحق مار ڈالنا جس کا مارنا اللہ تعالیٰ نے حرام فرما دیا ہے، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے روز پیٹھ دکھا کر بھاگنا اور بھولی بھالی پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا۔‘‘

(۲) سودی لین دین پر حضور نبی اکرم ﷺ کا لعنت بھیجنا

عن جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہ لعن رسول الله ﷺ أكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء۔(۲)

’’حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے سود

---

(۱) بخاري، الصحيح، كتاب الوصايا، باب قول الله تعالیٰ: إنّ الّذين يأكلون أموال اليتامی ظلما، ۳: ۱۰۱۷، رقم: ۲۶۱۵

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب لعن أكل الربا ومؤكله، ۳: ۱۲۱۹، رقم: ۱۵۹۸

کھانے والے اور سود کھلانے والے اور سودی تحریر یا حساب لکھنے والے اور سودی شہادت دینے والوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا کہ یہ سب لوگ (گناہ میں) برابر ہیں۔‘‘

(۳) سود خور کبھی جنت میں داخل نہیں ہوگا

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن النّبيّ ﷺ قال: أربع حق على الله أن لا يدخلهم الجنّة و لا يذيقهم نعيمها مدمن الخمر وأكل الربا وأكل مال اليتيم بغير حق و العاق لو الديه۔ (۱)

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: چار شخص ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کیا ہے کہ ان کو جنت میں داخل نہ فرمائے گا اور نہ ان کو جنت کی نعمتوں کا ذائقہ چکھائے گا: عادی شرابی، سود کھانے والا، ناحق یتیم کا مال کھانے والا، ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا۔‘‘

ان چار عملوں میں جس میں کوئی ایک عمل بھی ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو کبھی بھی جنت میں داخل نہیں کریگا اور نہ جنت کی نعمتوں میں سے اسے حصہ ملے گا جب تک وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انہیں چھوڑ کر تائب نہ ہو جائے۔

(۴) سود کا کم تر درجہ ماں کے ساتھ زنا کی مثل ہے

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن النّبي ﷺ الربوا ثلاثة ويعودن حوبًا

.... ۲۔ أبو يعلى، المسند، ۳: ۳۷۷، رقم: ۱۸۴۹

۳۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۵: ۲۷۵، رقم: ۱۰۲۴۸

(۱) ۱۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۴۳، رقم: ۲۲۶۰

۲۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۳: ۴، رقم: ۲۸۴۴

أیسرها أن ینکح الرّجل أمّه۔(۱)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سود کے تہتر گناہ ہیں ان میں سے ادنیٰ ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے۔''

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: الربا سبعون بابًا أدناها كالّذي يقع على أمّه۔(۲)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سود کے ستر دروازے (ستر قسمیں) ہیں ان میں سے ادنیٰ ایسا ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے زنا کرے۔''

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سود کے ستر باب ہیں، کم سے کم گناہ ماں کے ساتھ بدکاری کی مثل ہے۔''

اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یوں ہی مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سود کے تہتر باب ہیں اور ادنیٰ درجہ یہ ہے جیسے کوئی ماں سے بدکاری کرے۔(۳)

(۵) سود کا ایک درہم (روپیہ) کھانا چھتیس دفعہ زنا سے زیادہ سخت ہے

ارشادِ نبوی ہے:

www.MinhajBooks.com

عن عبد الله بن حنظلة رضی اللہ عنہ غسیل الملائکة قال: قال رسول

(۱) ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب التغليظ في الربا، ۲: ۷۶۴، رقم: ۲۲۷۴

(۲) بيهقي، شعب الإيمان، ۴: ۳۹۴، رقم: ۵۵۲۰

(۳) بيهقي، شعب الإيمان، ۴: ۳۹۴، رقم: ۵۵۱۹

الله ﷺ: درهم ربا أكله الرّجل وهو يعلم أشدّ من ستة وثلاثين زنية۔(۱)

’’حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ (جن کو شہید ہونے کے بعد فرشتوں نے غسل دیا تھا) نے روایت کیا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سود کا ایک درہم کھانا چھتیس مرتبہ زنا سے زیادہ شدید (جرم) ہے۔ بشرطیکہ کھانے والے کو معلوم ہو کہ یہ درہم سود کا ہے۔‘‘

عن عبد الله بن سلام رضی اللہ عنہ عن رسول الله ﷺ قال: الدرهم يصيبه الرّجل من الربا أعظم عند الله من ثلاثة وثلاثين زنية يزنيها في الإسلام۔(۲)

’’حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ایک درہم جس کو کوئی شخص سود سے حاصل کرے اللہ تعالیٰ کے نزدیک تینتیس زانیوں کے حالت اسلام میں زنا کرنے سے بھی زیادہ شدید جرم ہے۔‘‘

(٦) سود شرک کے برابر ہے

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

عن عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: إنّ النّبيّ ﷺ قال: الربا بضع

---

(۱) ۱۔ دارقطني، السنن، ۳: ۱۶، رقم: ۴۸
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۲۵، رقم: ۲۲۰۰۷
۳۔ بزار، المسند، ۸: ۳۰۹، رقم: ۳۳۸۱

(۲) ۱۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۱۱۷
۲۔ منذري، الرغيب والترهيب، ۳: ۵، رقم: ۲۸۴۸

وسبعون بابًا والشرک مثل ذالک۔(۱)

’’حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سود کے ستر سے زائد درجے ہیں اور شرک بھی اسی طرح ہے (گناہ میں اس کے برابر ہے۔)‘‘

(۷) سود خور پر عذابِ آخرت

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: أتيت ليلة أسري بي على قوم بطونهم كالبيوت فيها الحيّات ترى من خارج بطونهم فقلت من هؤلاء يا جبرائيل قال: هؤلاء أكلة الرّبا۔(۲)

’’حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس رات مجھے معراج ہوئی میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے پیٹ ایسے تھے جیسے اژدھوں سے بھرے ہوئے گھر اور اژدھے پیٹوں سے باہر بھی دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے جبرائیل سے دریافت کیا: یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا: یہ سود خور ہیں۔‘‘

ماحصل

سیرت الرسول ﷺ کا معاشی جہت سے مطالعہ، اسلام کی معاشی تعلیمات کی اہمیت اور دنیا میں موجود دوسرے معاشی نظاموں اور افکار کے مقابل اسلام کے معاشی نظام کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں انسانیت کئی معاشی نظاموں

(۱) بزار، المسند، ۵: ۳۱۸، رقم: ۱۹۳۵

(۲) ۱۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب التجارات، باب التغليظ في الربا، ۲: ۷۶۳، رقم: ۲۲۷۳

۲۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۱: ۲۶، رقم: ۱۹۳

سے گزری۔ دورِ جدید میں اشتراکیت اور سرمایہ داریت دو ایسے معاشی نظام ہیں جن کے فلسفہ پرعمل ہوتا رہا لیکن یہ دونوں نظام افراط یا تفریط کا شکار ہیں۔ اشتراکیت میں انفرادی ملکیت کی نفی کر کے پورے معاشرے کو ایک اَن دیکھے اور نادیدہ معاشی غاصب کے ہاتھوں میں یرغمال بنا دیا جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرے میں جاری معاشی سرگرمیوں سے ہر فرد اتنا مستفید نہیں ہوسکتا جتنا اس کا حق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ صدی میں اس نظام کی بڑی حد تک ناکامی کا مشاہدہ چشمِ عالم کر چکی ہے۔ دوسرا بڑا نظام سرمایہ داریت ہے جس کا مغرب میں بہت چرچا ہی نہیں بلکہ مغربی دانشور اِسے انسانیت کی معراج اور انسانی شعور اور ارتقاء کا آخری نکتہ بھی قرار دے رہے ہیں۔ لیکن یہاں انفرادی ملکیت کی وہ لا محدود تصویر موجود ہے۔ جس کے تحت امیر اور صاحبِ ثروت ایسی کسی پابندی کے ماتحت نہیں آتا کہ جس کے تحت وہ افرادِ معاشرہ کے لئے بھی اتنے ہی معاشی فوائد کے دروازے کھولنے کا پابند ہو جن سے وہ خود مستفید ہو رہا ہے۔

لیکن ان سب کے مقابل حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ سے ملنے والا نظام اعتدال وتوازن کا حامل ہے۔ جہاں نہ تو انفرادی ملکیت کی نفی کر کے فرد کو اجتماع کے سامنے بے بس اور بے اختیار کر دیا گیا ہے اور نہ ہی انفرادی ملکیت کو وہ لا محدودیت دی گئی ہے کہ جس سے معاشرے میں ارتکاز و اکتناز کا وہ لا محدود سلسلہ شروع ہو جائے کہ دولت چند ہاتھوں میں ہی مرتکز ہو کر رہ جائے بلکہ اسلام نے انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کو تصورِ امانت سے بدلا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی تعلیمات سے اس تصور کو وہ علمی اور فکری وضاحت عطا فرمائی جس کا عملی نمونہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں نظر آتا ہے۔ جنہوں نے صاحب ثروت ہوتے ہوئے اپنے وسائل اور معاشی ذخائر معاشرے کی فلاح و بہبود، دینِ حق کے ابلاغ واستحکام اور حضور نبی اکرم ﷺ کی جدوجہد کے فروغ و نفوذ کے لئے وقف کیا۔ نتیجتاً پورا معاشرہ ایک ایسے معاشی اور معاشرتی عدل کا مرقع بن گیا کہ تاریخ میں چشمِ عالم نے وہ نظارہ بھی دیکھا کہ پورے معاشرے میں کہیں بھی کوئی

معاشی تعطل کا شکار یا محرومی میں مبتلا فرد موجود نہ تھا۔ آج جبکہ انسانیت دیگر دائرہ ہائے حیات کی طرح معاشی دائرہ میں مسائل کا شکار ہے۔ آج سیرت الرسول ﷺ سے ہی وہ راہنمائی مل سکتی ہے جسے لے کر ہم اس مثالی نظام کی طرف بڑھ سکیں جس کا نظارہ دورِ رسالت مآب ﷺ اور دورِ خلافتِ راشدہ میں ہو چکا ہے۔

www.MinhajBooks.com

مآخذ ومراجع

۱۔ **القرآن الحکیم۔**

۲۔ **آلوسی**، ابو الفضل شہاب الدین السید محمود (م ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء)۔ روح المعاني في تفسیر القرآن العظیم والسبع المثاني۔ بیروت، لبنان: دار الاحیاء التراث۔

۳۔ **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء۔

۴۔ **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ فضائل الصحابہ۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ۔

۵۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن إسماعیل بن إبراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔۸۷۰ء)۔ الأدب المفرد۔ بیروت، لبنان: دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء۔

۶۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن إسماعیل بن إبراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔۸۷۰ء)۔ التاریخ الکبیر۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۷۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔۸۷۰ء)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار القلم، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۸۔ **بزار**، ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۵۔۲۹۲ھ/۸۳۰۔۹۰۵ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: ۱۴۰۹ھ۔

۹۔ **بلاذری**، احمد بن یحیٰ بن جابر البلازری (۲۷۹ھ)۔ فتوح البلدان۔ بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ۔

۱۰۔ **بیہقی**، ابوبکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔

۱۰۶۶ء)۔ الاعتقاد۔ بیروت، لبنان، دارالآفاق الجدید، ۱۴۰۱ھ۔

۱۱۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ السنن الکبری۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبہ دار الباز، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء۔

۱۲۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبداللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ شعب الإیمان۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۱۳۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ/ ۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

۱۴۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ/ ۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ الشمائل المحمدیة والخصائص المصطفویة۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، ۱۴۱۲ء۔

۱۵۔ **ابن تیمیہ**، احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام حرانی (۶۶۱۔۷۲۸ھ/ ۱۲۶۳۔۱۳۲۸ء)۔ السیاسة الشرعیة فی إصلاح الراعی والرعیة۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفہ۔

۱۶۔ **جصاص**، احمد بن علی الرازی ابو بکر (۳۰۵۔۳۷۰ھ)۔ أحکام القرآن۔ بیروت، لبنان: دار إحیاء التراث، ۱۴۰۵ھ۔

۱۷۔ **ابن جوزی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰۔ ۵۷۹ھ/ ۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ مناقب أمیر المؤمنین عمر بن الخطاب۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۸۔ **حاکم**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/ ۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ المستدرک علی الصحیحین۔ بیروت۔ لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۱۹۔ **حاکم**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/ ۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ المستدرک علی الصحیحین۔ مکہ، سعودی عرب: دار الباز للنشر و التوزیع۔

۲۰۔ **ابن حبان**، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ/ ۸۸۴۔۹۶۵ء)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء۔

۲۱۔ **ابن حجر عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ فتح الباري شرح صحیح بخاري۔ لاہور، پاکستان: دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۲۲۔ **ابن حزم**، علی بن احمد بن سعید بن حزم أندلسی (۳۸۴۔۴۵۶ھ/ ۹۹۴۔۱۰۶۴ء)۔ المحلی بالآثار۔ بیروت، لبنان: دار الآفاق الجدیدۃ۔

۲۳۔ **حسام الدین ہندی**، علاء الدین علی متقی (م ۹۷۵ھ)۔ کنز العمال في سنن الأقوال والأفعال۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۳۹۹/ ۱۹۷۹۔

۲۴۔ **حکیم ترمذی**، ابو عبد اللہ محمد بن علی بن حسن بن بشیر۔ نوادر الأصول في أحادیث الرسول۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۹۹۲ء۔

۲۵۔ **حلبی**، نور الدین علی بن ابراہیم بن احمد بن علی بن عمر بن برہان الدین حلبی قاہری شافعی (۹۷۵۔۱۰۴۴ھ)۔ إنسان العیون فی سیرۃ الأمین المامون (السیرۃ الحلبیۃ)۔ بیروت، لبنان، دار الکتب العربیہ، ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء

۲۶۔ **ابن خزیمہ**، ابو بکر محمد بن إسحاق (۲۲۳۔۳۱۱ھ/ ۸۳۸۔۹۲۴ء)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء۔

۲۷۔ **خطیب تبریزی**، ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ (۷۴۱ھ)۔ مشکوۃ المصابیح۔ بیروت، لبنان، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۳ء۔

۲۸۔ **ابن خلدون**، عبد الرحمن بن محمد الحضرمی (۷۳۶۔۸۰۸ھ)۔ مقدمہ کتاب العبر

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

وديوان المبتدا والخبرفی العرب والبربر ومن عاصر هم من ذوی الشأن الاكبر، (المعروف: مقدمه ابن خلدون)۔ دار الفكر للطباعة والنشر، بيروت، لبنان، ۲۰۰۳م۔

۲۹۔ **دارمی**، ابو محمد عبد الله بن عبد الرحمٰن (۱۸۱۔۲۵۵ھ/ ۷۹۷۔۸۶۹ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ۔

۳۰۔ **دارقطنی**، ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان (۳۰۶۔۳۸۵ھ/ ۹۱۸۔۹۹۵ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء۔

۳۱۔ **ابو داود**، سلیمان بن أشعث سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۳۲۔ **ابو داود**، سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۳۳۔ **ابن ابی الدنیا**، عبداللہ بن محمد ابوبکر القرشی (۲۰۸۔۲۸۱ھ)۔ مکارم الاخلاق۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ القرآن، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء۔

۳۴۔ **دیلمی**، ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی الہمذانی (۴۴۵۔۵۰۹ھ/ ۱۰۵۳۔۱۱۱۵ء)۔ الفردوس بمأثور الخطاب۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۹۸۶ء۔

۳۵۔ **ذہبی**، شمس الدین محمد بن احمد (۶۷۳۔۷۴۸ھ)۔ سیر أعلام النبلاء۔ بیروت، لبنان، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۱۳ھ۔

۳۶۔ **رازی**، محمد بن عمر بن حسن بن حسین بن علی تیمی (۵۴۳۔۶۰۶ھ/ ۱۱۴۹۔۱۲۱۰ء)۔ التفسیر الکبیر۔ تہران، ایران: دارالکتب العلمیہ۔

۳۷۔ **ابن راہویہ**، ابو یعقوب اِسحاق بن اِبراہیم بن مخلد بن اِبراہیم بن عبداللہ (۱۶۱۔۲۳۷ھ/۷۷۸۔۸۵۱ء)۔ المسند۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ الایمان،

۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء۔

۳۸۔ **ابن سعد**، ابو عبد اللہ محمد (۱۶۸۔۲۳۰ھ/۷۸۴۔۸۴۵ء)۔ **الطبقات الکبری**۔ بیروت، لبنان: دار بیروت للطباعہ والنشر، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۳۹۔ **سعید بن منصور**، ابو عثمان الخراسانی (۲۲۷ھ)۔ **السنن**۔ ریاض، سعودی عرب: دار العصیمی، ۱۴۱۴ھ۔

۴۰۔ **ابن سلام**، ابی عبدالقاسم بن سلام (۲۲۴ھ)۔ **کتاب الأموال**۔ قاہرہ، مصر، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع۔

۴۱۔ **سلمی**، ابو محمد عز الدین عبد العزیز بن عبد السلام (م ۶۶۰ھ)۔ **قواعد الأحکام في مصالح الأنام**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الریان، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۴۲۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **شرح سنن ابن ماجه**۔ کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ۔

۴۳۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔ ۱۵۰۵ء)۔ **الدر المنثور في التفسیر بالمأثور**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفۃ۔

۴۴۔ **سیوطی**، ۔جلالالدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **تاریخ الخلفاء**۔ بغداد، عراق: مکتبۃ الشرق الجدید۔

۴۵۔ **شاطبی**، ابراہیم بن موسیٰ اللخمی الشاطبی (۹۰ھ)۔ **الاعتصام**۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفۃ، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔

۴۶۔ **شافعی**، ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع قرشی (۱۵۰۔۲۰۴ھ

/۷۶۷۔۸۱۹ء)۔ أحکام القرآن۔ بیروت لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۰ھ۔

۴۷۔ **شریف رضی۔** نہج البلاغة (خطبات علی بن أبی طالب ﷛)۔ کراچی، پاکستان: محفوظ بک ایجنسی، ۲۰۰۰ء۔

۴۸۔ **شعرانی،** عبدالوھاب بن احمد بن علی بن احمد بن محمد بن موسیٰ (۸۹۸۔۹۷۳ھ/ ۱۴۹۳۔ ۱۵۶۵ء)۔ کشف الغمة عن جمیع الأمّة۔ میدان الأزھر، مصر: مکتبة و مطبعہ محمد علی صبیح وأولادہ۔

۴۹۔ **شوکانی،** محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ/۱۷۶۰۔۱۸۳۴ء)۔ نیل الأوطار شرح منتقی الأخبار۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔

۵۰۔ **ابن ابی شیبہ،** ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن اِبراہیم بن عثمان کوفی (۱۵۹۔۲۳۵ھ/ ۷۷۶۔ ۸۴۹ء)۔ المصنف۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبة الرشد، ۱۴۰۹ھ۔

۵۱۔ **طبرانی،** ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ المعجم الأوسط۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبة المعارف، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء۔

۵۲۔ **طبرانی،** ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ المعجم الصغیر۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء۔

۵۳۔ **طبرانی،** ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ المعجم الکبیر۔ موصل، عراق: مطبعة الزہراء الحدیثة۔

۵۴۔ **طبری،** ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ تاریخ الأمم والملوک۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۷ھ۔

۵۵۔ **طبری،** ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ جامع البیان

عن تأويل أي القرآن۔ بيروت، لبنان: دارالفکر، ۱۴۰۵ھ۔

۵۶۔ **ابن عبد البر**، ابوعمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد (۳۶۸۔۴۶۳ھ/ ۹۷۹۔۱۰۷۱ء)۔ الاستيعاب في معرفة الأصحاب۔ بيروت، لبنان: دار الجیل، ۱۴۱۲ھ۔

۵۷۔ **عبد بن حمید**، ابو محمد بن نصر الکسی (م ۲۴۹ھ/ ۸۶۳ء)۔ المسند۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ السنہ، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء۔

۵۸۔ **عبد الرزاق**، ابو بکر بن ہمام بن نافع صنعانی (۱۲۶۔۲۱۱ھ/ ۷۴۴۔۸۲۶ء)۔ المصنف۔ بيروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ۔

۵۹۔ **عجلونی**، ابو الفداء اسماعیل بن محمد بن عبد الہادی بن عبد الغنی جراحی (۱۰۸۷۔ ۱۱۶۲ھ/ ۱۶۷۶۔۱۷۴۹ء)۔ كشف الخفا ومزيل الألباس۔ بيروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ۔

۶۰۔ **ابن عساکر**، ابو قاسم علی بن حسن بن ھبۃ اللہ بن عبد اللہ بن حسین دمشقی (۴۹۹۔ ۵۷۱ھ/ ۱۱۰۵۔۱۱۷۶ء)۔ تاريخ دمشق الكبير (المعروف بـ: تاريخ ابن عساكر)۔ بيروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۱ء۔

۶۱۔ **عظیم آبادی**، ابو الطیب محمد شمس الحق۔ عون المعبود شرح سنن أبي داود۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۵ھ۔

۶۲۔ **ابوعوانہ**، یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن زید نیشاپوری (۲۳۰۔۳۱۶ھ/ ۸۴۵۔ ۹۲۸ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفہ، ۱۹۹۸ء۔

۶۳۔ **غزالی**، حجۃ الاسلام امام ابی حامد محمد بن محمد الغزالی (۵۰۵ھ)۔ المستصفى من علم الاصول۔ قم، ایران: منشورات الشریف الرضی، ۳۲۴ھ۔

۶۴۔ **فریابی**، ابو بکر جعفر بن محمد بن حسن (۲۰۷۔۳۰۱ھ)۔ دلائل النبوة۔ مکہ المکرّمہ، سعودی عرب: دار حراء، ۱۴۰۶ھ۔

۶۵۔ **قرطبی**، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن محمد بن یحییٰ بن مفرج اُموی (۲۸۴۔۳۸۰ھ/ ۸۹۷۔۹۹۰ء)۔ **الجامع لأحکام القرآن**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۶۶۔ **قضاعی**، ابو عبد اللہ محمد بن سلامہ بن جعفر (۴۵۴ھ)۔ **مسند الشهاب**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۷ھ۔

۶۷۔ **ابن کثیر**، ابو الفداء إسماعیل بن عمر (۷۰۱۔۷۷۴ھ/ ۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **البدایة والنهایة**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۶۸۔ **ابن کثیر**، ابو الفداء إسماعیل بن عمر (۷۰۱۔۷۷۴ھ/ ۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **تفسیر القرآن العظیم**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۶۹۔ **ابن ماجہ**، ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۹۔۲۷۳ھ/ ۸۲۴۔۸۸۷ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۷۰۔ **مالک**، ابن انس بن مالک رضی اللہ عنہ بن ابی عامر بن عمرو بن حارث اُصبحی (۹۳۔۱۷۹ھ/ ۷۱۲۔۷۹۵ء)۔ **الموطأ**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۷۱۔ **مزی**، ابو الحجاج یوسف بن زکی عبد الرحمٰن بن یوسف بن عبد الملک بن یوسف بن علی (۶۵۴۔۷۴۲ھ/ ۱۲۵۶۔۱۳۴۱ء)۔ **تهذیب الکمال**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۷۲۔ **مسلم**، ابن الحجاج ابو الحسن القشیری النیسابوری (۲۰۶۔ ۲۶۱ھ/ ۸۲۱۔۸۷۵ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۷۳۔ **مقدسی**، محمد بن عبد الواحد حنبلی (۶۴۳ھ)۔ **الأحادیث المختارة**۔ مکہ المکرّمہ، سعودی عرب: مکتبۃ النهضۃ الحدیثیہ، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

www.MinhajBooks.com منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

۷۴۔ **مناوی**، عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین (۹۵۲-۱۰۳۱ھ/ ۱۵۴۵-۱۶۲۱ء)۔ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر۔ مصر: مکتبہ تجاریہ کبریٰ، ۱۳۵۶ھ۔

۷۵۔ **منذری**، ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ بن سلامہ بن سعد (۵۸۱-۶۵۶ھ/ ۱۱۸۵-۱۲۵۸ء)۔ الترغیب والترهیب۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ۔

۷۶۔ **نسائی**، احمد بن شعیب، ابو عبدالرحمٰن (۲۱۵-۳۰۳ھ/ ۸۳۰-۹۱۵ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۷۷۔ **نسائی**، احمد بن شعیب، ابو عبدالرحمٰن (۲۱۵-۳۰۳ھ/ ۸۳۰-۹۱۵ء)۔ السنن الکبری۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۷۸۔ **ابونعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن إسحاق بن موسیٰ بن مہران أصبہانی (۳۳۶-۴۳۰ھ/ ۹۴۸-۱۰۳۸ء)۔ حلیة الأولیاء وطبقات الأصفیاء۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۷۹۔ **ابن ہشام**، ابو محمد عبد الملک حمیری (۲۱۳ھ/ ۸۲۸ء)۔ السیرة النبویة۔ بیروت، لبنان: دارالجیل، ۱۴۱۱ھ۔

۸۰۔ **ابن ہشام**، ابو محمد عبد الملک ہشام حمیری (۲۱۳ھ/ ۸۲۸ء)۔ السیرة النبویہ۔ بیروت، لبنان: دارابن کثیر، ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۳ء۔

۸۱۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵-۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵-۱۴۰۵ء)۔ مجمع الزوائد۔ قاہرہ، مصر: دار الریان للتراث + بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۸۲۔ **یحیٰ بن آدم**، یحی بن آدم القرشی (۲۰۲ھ)۔ کتاب الخراج۔ بیروت، لبنان،

دارالمعرفہ

۸۳۔ **ابو یعلی**، احمد بن علی بن مثنی بن یحیٰی بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔۳۰۷ھ/ ۸۲۵۔ ۹۱۹ء)۔ **المسند**۔ دمشق، شام: دارالمأمون للتراث، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء۔

۸۴۔ **ابو یوسف**، قاضی یعقوب بن اِبراہیم الانصاری (م ۱۸۲ھ)۔ **کتاب الآثار**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیۃ، ۱۳۵۵ھ۔

۸۵۔ **ابو یوسف**، قاضی یعقوب بن ابراہیم الانصاری(م ۱۸۲ھ)۔ **کتاب الخراج**۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفہ۔

www.MinhajBooks.com